

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

کہہ کر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے

مع تشریح و تفصیل

خالدہ تنویر



پین اسلامک پبلشرز

العزیز مارکیٹ، ۱۷ اردو بازار، لاہور-۲

WWW.IRCPK.COM

# قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

کہہ کر جو کچھ ارشاد فرمایا ہے

معہ تشریح و تفصیل

خالد قزوینی



بین اسلامک پبلشرز

۱۲-۱۳-۱۷، شاہ عالم مارکٹ، لاہور (پاکستان)

23014

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

خال - ی

محمد عثمان شمس

طابع :-

پرن اسلامک پبلشرز

ناشر :-

۱۲-۱۳ اے، شاہ عالم مارکٹ، لاہور

شرکت پرنٹنگ پریس لاہور

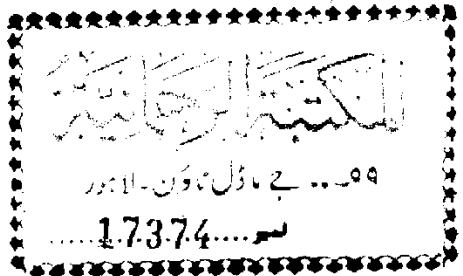
مطبع :-

اشاعت :-

نومبر ۱۹۷۵ء

۱...

پہلی



21 - 00

قیمت :- روپے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## تعارف

قرآن مجید کے مطالعہ کے دوران جب بھی ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ نظر سے گزرا تو خیال آیا کہ جو باتیں اس طرح خطاب کر کے کہی گئی ہیں وہ یقیناً بہت اہم باتیں ہوں گی۔ یوں تو قرآن پاک مکمل ہدایت ہے ہی لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو خاص طور سے مخاطب کر کے کوئی بات کہتا ہے تو اس سے ایک طرح کی محبت کا اظہار ہوتا ہے اور دل خود بخود متوجہ ہوتا ہے کہ دیکھیں کیا بات کہی جا رہی ہے۔ اور یہ تو ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی یوں ہی سرسری بات کہہ رہا ہو تو سننے والا کسی وقت توجہ نہیں بھی کرتا، لیکن بات کہتے کہتے اگر وہ اس کا نام لے کر پکارے تو سننے والا فوراً پوری توجہ اور دھیان سے اس کی بات سننے کو تیار ہو جاتا ہے اور نام لے کر پکارنے سے پیار، شفقت اور محبت معلوم ہوتی ہے اور خاص طور پر توجہ کرنے کے لیے یہی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب قرآن میں کہا جاتا ہے ”یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا“ ایمان آئے ہو والوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بات ہم سے ہی کہی جا رہی ہے۔ کہنے والا بڑے پیار سے ہمیں پکار رہا ہے اور ہمارے لیے ہدایت کا ایک راستہ کھولا جا رہا ہے۔

یہی احساس تھا جس نے مجھے متوجہ کیا کہ ایسے تمام احکام جو یَاٰیہَا  
 اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر دیئے گئے ہیں انہیں ایک جگہ جمع کر لیا جائے۔ اور  
 پھر ان کو یکجا کر کے دیکھا جائے کہ ہمیں مخاطب کر کے اور ہمارا نام لے کر ہمیں  
 کون کون سی ہدایات دی گئی ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی بے بضاعتی کے باوجود  
 یہ ارادہ کر لیا۔ ان آیتوں کو جمع کرنے سے مجھے اندازہ ہوا کہ ایک ایک آیت  
 اسلامی تعلیمات کا پھوڑ ہے۔ اتنی کامیاب ہدایات خاص ہمارے ہی لیے رب  
 دوجہاں نے نازل فرمائی ہیں۔ یوں تو ہم ان ہدایات کو پڑھتے ہی ہیں لیکن ایک  
 جگہ ان سب ہدایات کے مجموعے کو پڑھنا انشاء اللہ ضرور مفید ہوگا۔ اور ان کی  
 اہمیت اور افادیت بھی محسوس ہوگی۔

اس موقع پر ایک خاص بات جو مجھے محسوس ہوئی وہ یہ کہ یَاٰیہَا اَلَّذِیْنَ  
 اٰمَنُوْا کہہ کر صرف مدنی سورتوں میں خطاب کیا گیا ہے۔ مکی سورتوں میں خطاب  
 کا یہ انداز کہیں نظر نہیں آیا۔ یہ دیکھ کر ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟  
 کیا مکے کے مسلمان اس خطاب کے اہل نہیں تھے۔ صرف مدنی مسلمانوں کے  
 لیے اسے خاص کیوں کیا گیا؟ اس بات کی مصلحت سمجھ میں نہ آئی تو میں نے اپنے  
 محترم استاذ جناب جلیل احسن صاحب مدوی سے رجوع کیا اور اپنی یہ الجھن اُن  
 کے سامنے رکھی۔ انہوں نے جواب میں جو لکھا اس سے مجھے بڑی رہنمائی ملی۔ وہ  
 فرماتے ہیں:-

”کی زندگی میں جو لوگ دعوت حق کی طرف کھنچے ان میں نفاق کی بیماری نہیں  
 پائی جاتی تھی، جو بھی آیا وہ اپنے قلب و روح کے لحاظ سے خالص سونا تھا۔ دنیا کی

محبت کی آفیش سے پاک ہو کر آیا۔ وہ لوگ پہلے اپنے باہلی دین کے لیے مخلص تھے اور جب اصرار آئے تو پہلے سے زیادہ مخلص بن کر آئے۔ ان کی تربیت کے لیے یہ بات کافی ہوئی کہ انہیں خدا کے محبوب بندوں کی صفات بتا دی جائیں۔ اس کے عکس مدنی زندگی میں سبب دنیا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بیماریاں لیے ہوئے بھی بہت سے لوگ آگئے تو انہیں سمجھانے کے لیے زہر و توہنج کی ضرورت محسوس ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ انہیں کس طرح خطاب کیا جاتا؟ کیا یہ کہہ جاتا ”اے منافقو! اے کچے لوگو!؟“ نہیں، بلکہ یوں خطاب کیا گیا۔ ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔“ اس اسلوب خطاب کا فائدہ یہ ہوا کہ سچے لوگ سچائی میں بہت آگے گئے اور کچے لوگوں کی عظیم اکثریت سچے لوگوں میں مداخلت ہوئی۔

آج کے مسلمان بھی کچے پن اور نفاق کی بیماریوں میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کے لیے بھی ان ہدایات پر توجہ دینا اور اس آئینہ میں اپنی شکل دیکھنا ضروری ہے تاکہ ان کے ایمان کی کمزوری دور ہو، اور وہ سچے مومن بن سکیں۔

ایک اور صاحب علم مولانا صدیق الدین صاحب اصلاحی نے بھی اس سلسلے میں بالواسطہ رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب کسی کو اس کا نام لے کر یا مقام یا دولا کے پکارا جائے تو یہ کہنا مقصود ہوتا ہے کہ تم ہو تو اس حیثیت کے آدمی یا تمہاری ذات، نسل یا مذہب میں تو یہ بڑائی اور یہ شان ہے لیکن تمہارے اعمال ایسے ہیں، گویا شرم دلائی جاتی ہے کہ تم اپنا مقام سمجھو گئے ہو۔ چنانچہ یٰٰدِیٰ اَلسُّوْاۓِیْلُ اور یٰٰاَھْلَ الْکُتُبِ کہہ کر مختلف گروہوں کو ان کی اصل

حیثیت یاد دلا کر مختلف انداز میں تنبیہ کی گئی ہے، مراد یہی ہے کہ جب تم یہ ہو تو پھر کام ایسے اور ایسے کیوں کرتے ہو؟

مکی زندگی میں تو مسلمان سچے اور سچے مسلمان تھے۔ اسلام جو کر دار بنا دیا ہوتا ہے یہ لوگ حقیقت میں اس کا نمونہ تھے اس لیے وہاں غالباً اس طرح خطاب کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس کے برخلاف مدنی زندگی میں کچھ ایسے لوگ بھی مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے جن کا ایمان کمزور تھا۔ ان کے اعمال میں وہ غلوں نہیں تھا جو اسلام کو مطلوب ہے۔ یہی موقع تھا اس بات کا کہ انہیں ان کاموں سے ہونا یاد دلایا جائے۔ ان کو اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ وہ ایمان لائے ہیں۔ اسی لیے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہہ کر انہیں ہدایات دی گئیں، انہیں ان کا مقام یاد دلا کر ہدایت فرمانے کا مطلب ہی یہ تھا، کہ انہیں اپنے ایمان کے تقاضے پورے کرنا چاہئیں اور ایسے تمام کاموں سے بچنا چاہیے جو ان کے دعوائے ایمان سے میل نہیں کھاتے۔ اس لیے اس طرح دیکھا جائے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے الفاظ سے خطاب کرنے کی مصلحت اور اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

یہی وہ سب اسباب ہیں جن کی بنا پر آج کل کے ہم جیسے مسلمانوں کو ان تمام احکامات کو نہایت توجہ سے سننا چاہیے جو **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کہہ کر دیئے گئے ہیں۔

ایک خاص بات یہ ضرور سامنے رہے کہ قرآن مجید میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے الفاظ سے کہیں تو سچے اہل ایمان کو مخاطب کیا گیا ہے، کہیں مجموعی حیثیت سے سارے مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے جس میں مومن، منافق اور ایمان کے کمزور مسلمان

سب شامل ہیں۔ کہیں تو بات صرف منافقوں سے کی جاتی ہے اور انہیں اَلْكَافِرِیْنَ  
اَمْتُوا کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ اس سے مقصد یہ ہونا ہے کہ انہیں شرم دلائی جائے  
کہ تم لوگ دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہو اور حرکتیں یہ ہیں۔ یہ بات مضمون پر غور کرنے سے  
سمجھ میں آجاتی ہے کہ کس وقت روئے سخن کس طرف سے ہے۔

اس کتاب میں جن آیتوں کا ترجمہ اور مطلب پیش کیا گیا ہے یہ کوئی تفسیر نہیں ہے  
اور میں اس کی اہل بھی نہیں ہوں، یہ تو اہل علم کا کام ہے۔ یہاں تو صرف یہ کوشش  
کی گئی ہے کہ ان آیات کو پڑھ کر جو کچھ سمجھ میں آتا ہے اُسے پڑھنے والوں کے سامنے  
رکھ دیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو ان کی اہمیت اور تفصیل سے ان پڑھنے والوں کو  
باخبر کیا جائے جو قرآن کی بڑی بڑی تفسیروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، یہاں تو  
ایسے تشریحی نوٹ جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر انہیں خواتین کی محفلوں میں تذکیر  
کے طور پر پڑھا جائے یا مسجلی استعداد کے لوگ فائدہ اٹھانا چاہیں تو وہ ان کے  
لیے مفید ہو اور وہ ان باتوں کو آسانی سے سمجھ لیں جو خاص انہی سے کہی گئی ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں تفہیم القرآن (مولانا مودودی صاحب) سے مجھے بہت مدد  
ملی ہے، بلکہ جہاں تک مل سکا ہے لفظی ترجمہ میں تو زیادہ فرق بھی نہیں کیا ہے۔  
اور سورۃ بقرہ کی حد تک مولانا صد الدین صاحب کے تیسیر القرآن، اور  
مولانا عبد الوہاب خاں صاحب کے تقریب القرآن سے بھی فائدہ اٹھایا  
ہے۔ کشف الرحمن (سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب) اور ترجمان القرآن  
(ابوالکلام آزاد) بھی میرے سامنے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے، اور اس



اس مجموعے کو پڑھنے والوں کے حق میں مفید اور میرے لیے باعثِ ابرورکت  
بنائے۔ اور یہ بات اس کے فضل سے بعید نہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

---

خالد تنویر

۱۲ صفر ۱۴۳۸ھ شنبہ

الرمتی ۱۹۶۸ھ

# يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

ایمان

۱۹

۱۹

اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ۔

۲۲

ایمان کا تعلق باپ بھائی کے تعلق سے بالہ ہے۔

۲۳

عذاب سے بچانے والی تجارت۔

۲۴

تقویٰ

۲۹

اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

۳۲

سچائی اور انصاف پر قائم رہو۔

۳۵

اللہ کی نعمتیں یاد کرو۔

۳۷

اللہ کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو۔

۴۰

خدا ترسی اختیار کرو۔

۴۲

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

۴۳

اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

۴۵

اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کیا کرو۔

۴۶

اللہ سے ڈرو اور رسول پر ایمان لاؤ۔

## ۴۹ اطاعت و عظمت رسول

۵۱ ”داعيتا“ نہ کہا کرو۔

۵۳ اہل کتاب کی اطاعت کفر تک لے جا سکتی ہے۔

۵۵ اسلام کا نظام اطاعت۔

۵۸ رسول کی اطاعت کرو۔

۶۱ رسول کی پکار پر لبیک کہو۔

۶۳ رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

۶۵ نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔

۶۹ نبی پر درود و سلام بھیجو۔

۷۳ نبی کو نہ ستاؤ۔

۷۴ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

۷۵ اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو۔

۷۶ اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔

۷۸ رسول سے ملیجہ گی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دو۔

## ۸۱ اتفاق فی سبیل اللہ

۸۳ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

۸۵ اپنے صدقات کو احسان جتا کر ضائع نہ کرو۔

۸۹ اللہ کی راہ میں اپنے مال کا بہتر حصہ خرچ کرو۔

## صبر و استقامت

۹۳

صبر اور نماز سے مدد لو۔

۹۵

صبر سے کام لو۔

۹۷

دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رہو۔

۹۸

دوست دشمن میں تمیز کرو۔

۹۹

پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔

۱۰۱

ثابت قدم رہو۔

۱۰۴

رکوع اور سجدہ کرو۔

۱۰۶

اللہ کی مدد کرو۔

۱۱۱

اللہ کے مددگار بن جاؤ۔

۱۱۳

## دعوتِ الی الحق

۱۱۵

پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

۱۱۷

دین سے نہ پھرو۔

۱۱۸

اللہ کی راہ میں کیوں نہیں نکلتے ؟

۱۲۱

شیطان کی پیروی نہ کرو۔

۱۲۳

## حسن معاملات

۱۲۷

مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔

۱۲۹

انصاف کے علمبردار بنو۔

۱۳۱

اہل کتاب کے اکثر علماء درویش حرام مال کھاتے ہیں۔

۱۳۲

۱۳۴ بلا تحقیق بات نہ مان لیا کرو۔

۱۳۵ حسن معاشرت

۱۳۶ زبردستی عورتوں کے وارث نہ بنو۔

۱۳۷ بلا اجازت دوسروں کے گھروں میں نہ جاؤ۔

۱۳۸ گھروں میں جانے کے لیے اجازت لینے کے تین اوقات۔

۱۳۹ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ۔

۱۴۰ گمان کرنے سے پرہیز کرو۔

۱۴۱ گناہ کی باتوں پر آپس میں کانا پھوسی نہ کرو۔

۱۴۲ اپنی مجلس میں کشادگی پیدا کرو۔

۱۴۳ احکام

۱۴۴ قصاص لیا کرو۔

۱۴۵ تمہارے اوپر روزے فرض کیے گئے۔

۱۴۶ اللہ سے ڈرو، جو سود باقی ہے اسے چھوڑ دو۔

۱۴۷ کسی کو قرض دو تو لکھ لیا کرو۔

۱۴۸ سود مست کھاؤ۔

۱۴۹ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔

۱۵۰ بندشوں کی پابندی کرو۔

۱۵۱ خدا پرستی کی نشانیوں کی بے حرستی نہ کرو۔

۱۵۲ وضو اور تیمم کا طریقہ۔

- ۱۸۹ حلال کو حرام نہ کر لو۔  
 ۱۹۱ شراب، جوئے اور پانسے سے بچو۔  
 ۱۹۲ شکار کے ذریعے ایمان کا امتحان۔  
 ۱۹۴ احرام کی حالت میں شکار نہ کرو۔  
 ۱۹۶ وصیت کے احکام۔  
 ۱۹۸ عدت کے احکام۔

## عام ہدایات

- ۲۰۱ پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔  
 ۲۰۳ غیروں کو اپنا ساز دار نہ بناؤ۔  
 ۲۰۴ کافروں کی اطاعت نہ کرو۔  
 ۲۰۹ مسلمان کافروں کی سی باتیں نہ کریں۔  
 ۲۱۱ مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔  
 ۲۱۲ دین کا مذاق بنانے والوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ۔  
 ۲۱۴ خواہ مخواہ سوالات نہ کیا کرو۔  
 ۲۱۶ اپنی فکر کرو۔  
 ۲۱۷ مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب نہ آنے دو۔  
 ۲۱۹ منکرین حق سے جنگ کرو۔  
 ۲۲۱ اللہ کا احسان یاد کرو۔  
 ۲۲۵ ہر انسان جو کچھ کر رہا ہے اسے وہ کل ضرور دیکھ لے گا۔

- ۲۲۷ اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔
- ۲۲۸ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں ان کا امتحان کر لیا کرو۔
- ۲۲۹ ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے۔
- ۲۳۰ ایسی بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں؟
- ۲۳۱ جمعہ کی اذان دی ہائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔
- ۲۳۲ مال اور اولاد کی محبت تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے۔
- ۲۳۳ بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں۔
- ۲۳۴ اپنے آپ کو، اپنے گھروالوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔
- ۲۳۵ اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

WWW-KITABOSUNNAT.COM

”اے وہ لوگو! جو ایمان لائے“



ایمان

جو ایمان لائے وہ خلق خدا میں سب سے بہتر لوگ  
ہیں انہوں نے حقیقت کو پا لیا ہے۔  
فلاح و نجات اور خیر و برکت انہی کے لیے ہے  
وہ علم کی روشنی میں ہیں اور سیدھے راستے پر ہیں  
اللہ ان کا سرپرست، آقا اور نگہبان ہے  
وہ خدا کی رحمت کی آغوش میں ہیں۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء: ۱۳۴)

”اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل فرمائی گئی جس نے اللہ، اور اس کے فرشتوں اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن سے انکار کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر دور نکل گیا۔“

بظاہر انداز بیان بڑا عجیب ہے۔ ایمان لانے والوں سے یہ کہا جا رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ یہاں خطاب عام ہے لیکن اصل میں انہی لوگوں کو پکارا جا رہا ہے جن کا شمار تو مومنوں میں ہے لیکن ان کا یہ ایمان کا دعویٰ صرف زبانی ہے۔ یہاں ایمان دو الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ایمان لانے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آدمی نکلا

کے بجائے اقرار کر لے اور دہانتے والوں سے الگ ہو کر مانتے والوں میں شامل ہو جائے اور خدا، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن کو سچ سمجھ کر تسلیم کر لے۔ اور اس کا دوسرا اور اہم مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کو مانے سچے دل سے مانے، ہو چر سمجھ کر مانے، اور یہ ایمان اس کے دل میں ایسا پختہ ہو کہ اس کی پوری زندگی پر حادی ہو جائے وہ اپنا مزاج، خیالات، اپنی پسند، اپنے طور طریقہ، اپنے تعلقات سب اس عقیدے کے تحت بنالے جس پر وہ ایمان لایا ہے۔ بہت سے مسلمان اور خاص طور سے آج کے مسلمان وہ ایمان لانے والوں کی فہرست میں تو ہیں لیکن دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ پورے مومن نہیں ہیں۔ اسی لیے مومنوں سے ایمان لانے کا یعنی سچا مومن بننے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ جن چیزوں پر ایمان لا کر تم مومن بنے ہو انہی پر پھر سوچ سمجھ کر ایمان لاؤ۔ سب سے پہلے اللہ پر ایمان لاؤ۔ اس کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین دل میں پیدا کرو، اس سے جزا کا لالچ اور سزا کا خوف رکھو اور اسی طرح تم ہر بدی اور بے حیائی سے بچ سکو گے۔ پھر اللہ کے رسول کو سچا سمجھو۔ اس کی بتائی ہوئی ہدایات پعمل کرو، اس کی تعلیمات کو سامنے رکھو تاکہ تمہاری زندگی سدھرے اور آخرت گم ہونے نہ پائے۔ اور پھر اس کتاب پر ایمان لاؤ جو رسول پر نازل کی گئی ہے یعنی قرآن، اور ساتھ ہی اس کتاب پر بھی ایمان رکھو جو اس سے پہلے نازل کی گئی۔ اس کتاب سے مراد بعض لوگوں کے نزدیک توراۃ ہے کیونکہ قرآن سے پہلے اصل کتاب الہی کی حیثیت توراۃ کو حاصل ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء اصل میں توراۃ کے داعی بن کر آئے۔ بہر حال یہاں تو اس حقیقت

کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ جو لوگ کچھ ظاہری باتوں کو بنیاد بنا کر رسولوں میں فرق کرتے ہیں وہ ایسا نہ کریں، وہ خدا کی نازل کی ہوئی کتاب کو خدائی ہدایت سمجھیں، زندگی کے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کریں تاکہ سچے مومن بن سکیں۔ اور آخرت میں اس اجر عظیم کے مستحق ہوں جس کا اس کتاب میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اور جس نے بھی اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹکتا چلا جائے گا۔

جس طرح ایمان لانے کے دو مطلب ہیں اسی طرح کفر کرنے کے بھی دو مطلب ہیں، ایک تو یہ کہ آدمی صاف صاف انکار کر دے، اور دوسرا یہ کہ زبان سے تو مان لے مگر دل سے نہ مانے یا اس کے طور طریقوں سے یہ ظاہر ہو کہ اس نے جس چیز کو ماننے کا دعویٰ کیا ہے اُسے دل سے نہیں مانا ہے۔ یہاں کفر سے یہ دونوں معنی نکلتے ہیں۔ اس آیت میں ایسے تمام لوگوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے جو یا تو صاف انکار کر دیں یا اقرار کرتے ہوئے بھی طور طریقوں کے لحاظ سے سچے مومن نہ ہوں۔ ان میں سے دوسری قسم کے لوگوں کی آج بھی کثرت ہے، جن کا مومنوں میں شمار بھی ہے۔ خدا اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور آخرت کے دن پر ایمان بھی ہے لیکن زندگی کسی اور ہی رنگ میں گزر رہی ہے جیل یلن کا دعویٰ کیا ہے وہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ اسی قسم کے لوگوں کے متعلق یہ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو گمراہی میں بھٹک کر دُور نکل گئے ہیں، یہ ہدایت اور ایمان کی روشنی سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ اگر یہی سال رہا تو اندیشہ ہے کہ کبھی یہ بالکل ہی کفر میں نہ جا پہنچیں، اور وہ ایمان بھی ہاتھ سے جاتا رہے جس کا صرف زبانی دعویٰ ہو رہا ہے۔ اگر ایسا

ہو تو یہ بڑی بے نصیبی اور نامرادی ہوگی۔

ایمان کا تعلق باپ، بھائی کے تعلق سے بالکل ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ  
إِنْ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَوَ لَئِنْ  
هُمْ الظَّالِمُونَ ۝ (التوبہ: ۲۳)

”اے ایمان لانے والو! اپنے باپوں اور بھائیوں کو بھی اپنا رفیق نہ

بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیں تم میں سے جو ان کو رفیق بنائیں گے وہی ظالم

ہوں گے“

مومن کو ایمان اور اسلام سے زیادہ کسی سے محبت نہ ہونا چاہیے۔ اس کے  
وہ رشتہ دار جو ایمان رکھتے ہیں وہ تو اس کے رفیق ہو سکتے ہیں لیکن وہ رشتہ دار جو  
ایمان پر کفر کو ترجیح دیں، ان کی زندگی ایمان سے زیادہ کفر کے رنگ میں رنگی ہو تو پھر  
چاہے وہ باپ، بھائی ہی کیوں نہ ہوں ان سے مومن کو کوئی دلی تعلق اور لگاؤ نہ  
ہونا چاہیے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لیے رشتہ دار کی  
نہایت ہے تو اللہ کی خاطر۔ چاہے اس کا کتنا ہی قریبی عزیز ہو لیکن اگر وہ اللہ کے احکام  
سے باہر ہے تو پھر اسے اپنا وہ دلی تعلق بھی توڑ دینا چاہیے جو سب سے مومنوں سے ہوتا  
ہے۔

لیکن آج ایسا بہت کم ہوتا ہے مسلمان رشتہ داری نبھانے میں اس کا خیال ہی  
نہیں کرتے کہ ان کا رشتہ دار ایمان کے لحاظ سے کتنا کمزور ہے، وہ چاہے خدا کا

تافران ہی ہو لیکن چونکہ رشتہ دار ہے اس لیے رشتہ داری نہائی جاتی ہے۔  
یہاں واضح لفظوں میں ہدایت موجود ہے، اللہ اپنے مومن بندوں کو پکارتا ہے۔  
"اے مومنو! تم تو اپنے باپ اور بھائیوں کو بھی چھوڑ دو جو ایمان کی باتیں نہ مان کر کفر  
کی روش اختیار کریں۔ تم تو بس اس سے تعلق رکھو جس کا تعلق اللہ سے مضبوط ہو۔  
تمہاری محبت، تمہارا تعلق، تمہاری دوستی اور تمہاری رشتہ داری صرف اللہ کی  
خاطر ہونی چاہیے۔ اب اگر اس حکم کو سن لینے کے بعد بھی تم نے ان لوگوں کو اپنا رفیق  
بنایا تو تم ظالم ہو گے۔ خدا کا حکم نہ مان کر یہ ظلم تم اپنے آپ پر کرو گے۔

اس کے بعد والی آیت اس بارے میں اور زیادہ واضح ہے، اس میں تو اللہ  
تعالیٰ نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور  
اس کے راستے میں جدوجہد کرنے کے مقابلے میں تمہیں اپنے ماں باپ، بھائی،  
بھوپایں، مال و دولت، کاروبار، مکان اور جائدادیں زیادہ عزیز ہوں تو پھر تمہیں انتظار  
کرنا چاہیے کہ کب اللہ کا فیصلہ تمہارے سامنے آجائے۔ یعنی کب تم اس کے  
عذاب کا شکار ہو جاؤ۔ حقیقت یہی ہے کہ مومن کے لیے ایمان کا تعلق سب سے  
پہلا اور بنیادی تعلق ہے۔ باقی تمام تعلقات اس کے بعد اور اس کے تحت  
ہیں۔

### عذاب کے پہلے ذوال تجارت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ  
عَذَابٍ أَلِيمٍ تَوَسَّلُوا بِاللَّهِ وَسِرُّوهُ وَتَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

يَا مُؤَاكِلِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(الصفت: ۱۰۷)

وہ اے ایمان لانے والو! کیا میں تمہیں ایسا سودا بتاؤں جو تمہیں  
دردناک عذاب سے محفوظ رکھے، وہ یہ کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر  
ایمان لاؤ۔ اللہ کے راستے میں مال اور جان لڑا دو اور اگر تم سمجھو تو یہی  
تمہارے لیے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے فرمایا، کیا میں تمہیں ایسی سودا گری بتاؤں جو  
تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ ایسی تجارت جو تمہیں دوزخ کے عذاب  
نجات دلا دے اور جہنم کی سختیوں سے محفوظ رکھے؟ — اس سوالیہ انداز بیان  
کی خوبی یہ ہے کہ اتنا سنتے ہی سننے والوں کے دلوں میں ذوق شوق پیدا ہو گا،  
وہ اور زیادہ متوجہ ہو جائیں گے، ان کی بے چینی بڑھ جائے گی، انہیں یہ جاننے  
کا اشتیاق ہو گا کہ وہ کون سا سودا ہے جو ہمیں عذاب سے بچا دے گا۔  
اب فرمایا کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ، اس کے راستے میں مال اور  
جان سے جہاد کرو اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ مومنوں سے یہ کہنا  
کہ اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ بظاہر عجیب سی بات ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ  
مومن ہوتے ہوئے بھی اگر اس کے طور طریقے اسلام کے مطابق نہیں ہیں اس  
کا مطلب ہے کہ ابھی ایمان بھی پختہ نہیں ہے اسی لیے تاکید کی جا رہی ہے  
کہ تم ایمان لاؤ یعنی اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم واقعی مومن ہو۔

یہاں مومنوں کو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے



فرمایا جو کچھ جان اور مال تمہارے پاس ہے تم اس کی پروا نہ کرو سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دو یہ تمہاری بہتری کا سبب ہے۔ اس سے تمہاری خطائیں معاف ہوں گی، درجات بلند ہوں گے، اور تم خدا سے قریب ہو سکو گے، اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

اور نہ صرف یہ کہ خطائیں معاف ہوں گی، تم پر مزید فضل یہ ہو گا کہ تم ایسے باغوں میں داخل کیے جاؤ گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جہاں تمہاری آسائش کا ہر سامان مہیا کیا جائے گا۔ یہ تمہاری سب سے بڑی کامیابی ہوگی، اور اس کے علاوہ تمہارے لیے ایک اور نعمت بھی ہے۔ اور وہ نعمت ہے اللہ کی مدد اور قریب حاصل ہونے والی فتح۔ یہ تمہارے لیے بڑی خوشخبری ہے۔

ہے۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

تقویٰ

تقویٰ دل میں پیدا ہونے والی اس کیفیت  
 کا نام ہے جس میں خدا کا خوف بھی ہو اور اس  
 سے محبت بھی ہو خدا کا تقویٰ مومن کو ہر طرح  
 کی نافرمانی سے روکتا ہے اور اطاعت و  
 فرمانبرداری کی راہوں پر اس کے قدم بڑھتے  
 چلے جاتے ہیں۔

خدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ باعز  
 ہے جس کے دل میں تقویٰ ہے۔

## اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۚ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (آل عمران: ۱۰۲-۱۰۳)

وہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم سب لڑ کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو، اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گٹھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے ۝

یہاں مومنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اس طرح ڈریں جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ یہ بات بڑی اہم ہے۔ جب دل میں یہ یقین اچھی طرح پیدا ہو

جائے کہ ہر چھوٹی بڑی بات اور ہر کام اللہ کے علم میں ہے۔ یہاں تک کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات سے بھی اللہ باخبر ہے ہر جگہ اور ہر وقت اللہ انسان کو دیکھتا ہے، تو زندگی کا رخ ہی بدل جائے گا، پھر انسان کبھی بھی جان بوجھ کر خدا کی نافرمانی نہیں کر سکتا ہر وقت اپنے مالک سے ڈرتا رہے گا۔ اسے ہمیشہ یہ خیال رہے گا کہ اس کی ہر چھوٹی بڑی حرکت پر اللہ کی نظر ہے۔ جب یہ یقین پختہ ہو جائے گا تو وہ ہر قدم پر بڑی احتیاط سے کام لے گا۔ ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچ لے گا کہ اس بلے میں خدا کا حکم کیا ہے۔ وہ اس بات سے ڈرتا رہے گا، کہ کہیں کوئی کام اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے اور کہیں مالک ناراض نہ ہو جائے۔ بس یہی تقویٰ ہے۔ اسی کو کہا گیا کہ ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے پھر فرمایا گیا کہ تم مرتے دم تک اسلام پر یعنی اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔

اب مومنوں کو دین کی اہمیت بتانے کے لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو ہکڑ لیں۔ اللہ کے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں۔ تمام ایمان لانے والوں کے لیے دین ہی وہ رشتہ ہے جو ان کا تعلق اللہ سے بھی مضبوط کرتا ہے اور آپس میں متحد کر کے ایک جماعت بنا دیتا ہے۔ اس لیے مومنوں کا فرض یہ ہے کہ وہ اس کو قائم کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور اسی کی خدمت کے لیے مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کریں آپس میں تفرقہ نہ ڈالیں۔ یعنی اگر دین سے اُن کی دلچسپیاں کم ہوں، اور اسے قائم کرنے میں بے توجہی کی تو آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔

اب اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کو یاد دلایا ہے۔ فرمایا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہیں بھائی بھائی بنایا، تمہارے دل جوڑے اور تمہیں

ایک جماعت کر دیا۔ یعنی جس جس نے اسلام قبول کیا وہ آپس میں ایک دوسرے سے ملتا گیا، ہاں ہے اس سے پہلے وہ دشمن ہی کیوں نہ رہ چکا ہو، لیکن اسلام لانے کے بعد سارے مسلمان بھائی بھائی بن گئے۔ ان کے درمیان دین کا رشتہ قائم ہو گیا، ان کے دل ایک ہو گئے۔ ان میں کوئی نسلی، قومی اور وطنی فرق باقی نہ رہا۔ یہ اللہ کا فضل ہی تو ہے کہ اس نے سب کو ایک جماعت بنا دیا۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس جماعت میں بھٹ نہ پڑنے دو، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تم دین پر اچھی طرح جم چکے ہو۔ اللہ کا ایک اور احسان یہ ہے کہ اُس نے تمہیں آگ سے بھرے ہوئے گڑھے میں گرنے سے بچایا جس کے کنارے پر تم کھڑے تھے۔ اشارہ اس حالت کی طرف ہے جس میں اسلام سے پہلے اہل عرب مبتلا تھے۔ آپس کی لڑائیاں، دشمنی قتل و غارتگری جیسی خرابیاں اتنی بڑھ چکی تھیں کہ ساری قوم تباہ و برباد ہو رہی تھی۔ اس تباہی کے انہیں اسلام نے بچایا، یہ ان کے حق میں بہت بڑی نعمت تھی اور اس کی جو جو برکتیں ان پر ہو رہی تھیں سب جانتے تھے۔

اللہ نے اسی لیے تو یہ ساری باتیں بیان فرمائی ہیں کہ ہو سکتا ہے اب بھی مسلمان اپنی فلاح کا سیدھا راستہ پاسکیں۔

اب اگر کوئی مسلمان ذرا بھی سوچد بوجھد رکھتا ہے تو وہ یہ اچھی طرح سمجھ لے گا کہ اس کی فلاح اس دین کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے میں ہے یا اسی گمراہی کی طرف لوٹ جانے میں ہے جس میں وہ پہلے مبتلا تھا، اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں خدا اور اس کے رسول کی ہدایتوں میں ہیں، یا ان مشرک و منافق لوگوں کی باتوں میں، جو ایمان سے کفر کی طرف پٹانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں ایسے لوگ ضرور ہونا چاہئیں جو مومنوں کو بھی ایمان کی یاد دہانی کراتے رہیں، انہیں نیکی پر ابھارتے رہیں اور برائی سے روکتے رہیں۔ ایسے لوگ اور ایسی امت فلاح پائے گی۔ پھر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر واضح ہدایتیں ملنے کے باوجود لوگ آپس میں اختلاف رکھیں تو وہ آخرت میں ہنرا پائیں گے۔ ان سے یہ سوال کیا جائے گا کہ اسلام کی نعمت ملنے کے باوجود کافروں کی سی راہ کیوں اختیار کی؟ کفرانِ نعمت کے جرم میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور وہ لوگ جو ان ہدایتوں پر عمل کریں گے ان کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور خدا کی رحمتیں ان پر ہو رہی ہوں گی۔ اللہ دنیا والوں پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا، وہ تو صاف الفاظ میں اس کام سنا دیا کرتا ہے، ان پر عمل نہ کرنے والے خود ہی عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔

### سچائی اور انصاف پر قائم رہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بَيْنَ الْقِسْطِ وَالْجَبْرِ مِمَّا كُنْتُمْ شَنَاةً قَوْمٍ عَلَىٰ آلَ تَعْدٍ لَّوْلا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (مائہ: ۸)

”اے ایمان لانے والو! اللہ کی خاطر سچائی پر قائم رہو اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا نہ بھڑکا دے کہ انصاف سے بھر جاؤ، عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے پوری طرح جانتا ہے۔“

مومنوں کو ہدایت کی ہمارہی ہے کہ وہ سچائی پر قائم رہیں اور انصاف کی گواہی دیں اس اللہ کی خاطر جس پر وہ ایمان لائے ہیں۔ فرمایا، تم انصاف اور عدل کی روش پر چلو۔ تم چونکہ مومن ہو، اس لیے یہ تمہارا ہی کام ہے کہ ظلم مٹاؤ، انصاف اور سچائی کا بول بالا کرو، عدل دنیا میں قائم ہو تو اس کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم ہی وہ سہارا بن جاؤ۔ یعنی بے انصافی اور ظلم تو دنیا میں عام ہے ہی۔ آج بھی ہر طرف کمزوروں کے حق مارے جاتے ہیں، طاقتور اور سرمایہ دار لوگ غریبوں سے چھین چھین کر اپنے لیے دولت کے ڈھیر جمع کر رہے ہیں، کمزوروں کی جان اور مال کسی طرح بھی محفوظ نہیں ہے، اور پھر اس ظلم پر کوئی فریاد بھی نہیں ہے کوئی انصاف بھی نہیں ہے تو ایسے میں مومنوں کو یہ ہدایت اپنے سامنے رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے خود انہیں خطاب فرمایا ہے کہ تم انصاف اور عدل قائم کرو، اللہ کی خاطر سچائی پر قائم رہو، اس کا مطلب یہ کہ سچائی پر قائم رہنے میں تمہیں مشکلات کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا لیکن اسے اس لیے برداشت کرو کہ یہ تمہارے رب کا حکم ہے جس پر تم ایمان لائے ہو، تم ہمیشہ انصاف کی گواہی دو، چاہے اس سلسلے میں تمہیں کسی کی دشمنی مول لینا پڑے یا اپنا کوئی نقصان ہو رہا ہو، چاہے سچی گواہی دینے میں تمہارے تعلقات اور تمہاری رشتہ داری چھوٹ رہی ہو، مگر انصاف اور عدل کے ساتھ سچی گواہی دو، اور تمہاری یہ گواہی صرف خدا کے لیے ہونی چاہیے کسی کی روایت اس میں نہ ہو، کوئی ذاتی غرض، قومی یا ملکی فائدہ شامل نہ ہو اور خدا کے سوا کسی کی خوشنودی تمہارے سامنے نہ ہو۔

اور پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر کسی گروہ سے تمہاری دشمنی ہے، اور اس کے



خلاف گواہی دینے کا کوئی موقع آئے تو تم اپنے ذاتی بغض کی وجہ سے انصاف سے پھر جاؤ، اور جھوٹ بول کر اسے پھانسنے کی کوشش کرنے لگو۔ اور ایسا تو وہ کیا کرے گا جس کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو، ایسے ہی موقعے امتحان کے ہوتے ہیں، اور ہر دفعہ جس کا ایمان پختہ نہ ہو اس کے قدم ایسے موقعے پر لڑکھڑاہاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی گروہ سے ایک شخص کی دشمنی چل رہی ہے اور کسی واقعہ کو بنیاد بنا کر دل ابھی تک صاف نہیں ہے۔ غم و غصہ دل میں بھرا ہوا ہے، بس نہیں چلتا کہ کس طرح بدلہ لیا جائے، اب اگر اس گروہ کے کسی شخص پر قتل، چوری یا اور کسی بات کا الزام آجائے اور وہ عدالت میں لایا جائے پھر اس شخص سے بھی گواہی لی جائے جس سے اس کی دشمنی ہے، موقع ایسا ہو کہ حقیقت میں وہ مجرم تو نہیں لیکن اگر یہ شخص اس کے خلاف گواہی دے دے تو اس کو سزا ہو سکتی ہے، اسے بھی یہ معلوم ہے کہ یہ شخص بے گناہ ہے، یہ بات معلوم ہوتے ہوئے بھی اگر وہ انصاف اور عدل کی خاطر اپنی پرانی دشمنی کو چھوڑ کر صرف اللہ کی خاطر سچی گواہی دے تو یہ بڑے حوصلے اور ایمان کی پختگی کا کام ہے آپس کے تعلقات پر تو اس کا اثر پڑے گا ہی، دشمنی دوستی میں بدل ہی جائے گی لیکن اللہ کے یہاں اس کا بہترین اجر ملے گا جس کا ہر مومن خواہشمند ہوتا ہے۔

جس کا ایمان پختہ ہوگا اور جو زندگی کے تمام معاملات میں خدائی ہدایتوں سے رہنمائی حاصل کرے گا۔ پہلی بات تو یہ کہ اس کے تعلقات کسی سے خراب ہی نہ ہوں گے اور دشمنی پیدا ہی نہ ہوگی لیکن اگر کسی وجہ سے ایسا ہو بھی جائے تو سچائی اور عدل کی راہ اختیار کرنے سے یہ دشمنی جلد ہی ختم بھی ہو جائے گی۔ اس طرح

دنیا کی زندگی میں بھی سکون اور اطمینان میسر ہوگا اور پھر آخرت میں تو خیر ہی خیر ہے۔ انصاف کی ہدایت دینے کے بعد اس نیکی کی تعریف یہ کی گئی کہ یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔ ظاہر ہے دل میں خدا کا تقویٰ ہو اس سے اجر کی توقع اور سزا کا ڈر ہو تو انسان نیکی کی طرف بڑھے گا۔ اور پھر آخر میں اس حقیقت کا یقین دلایا گیا کہ اللہ تو ان سارے کاموں سے باخبر ہے جو تم لوگ کر رہے ہو۔ اس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ حیب یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے، ہر کام کی اسے خبر ہے تو انسان ہر وقت یہ خیال رکھے گا کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائے اور یہی خیال اسے جھوٹ سے بچائے گا۔ ظلم اور بے انصافی سے روکے گا اور بدی کے راستے سے ہٹ کر نیکی کی راہوں کی تلاش پر مجبور کرے گا۔

### اللہ کی نعمت یاد کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ اٰن يَبْسُطُوۡا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (المائدہ : ۱۱)

» اے ایمان لانے والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اُس نے (ابھی حال میں) تم پر کیا ہے جب کہ ایک گروہ نے تم پر چڑھائی کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اُٹھنے سے روک دیئے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو ایمان رکھنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ۛ

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ یہودیوں میں سے ایک گروہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص خاص صحابہؓ کو کھانے پر بلایا اور پہلے سے چپکے چپکے سازش کر لی تھی کہ جب لوگ آسماں گئے تو اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں گے اور اس طرح اسلام کی جان ہی بھل جائے گی۔ لیکن ٹھیک وقت پر اللہ کے فضل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا اور وہ تشریف نہ لے گئے۔ اسی واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے اوپر اللہ کا احسان ہی تو تھا کہ اس ظالم گروہ کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے دک دیئے۔ یہ تو ایک واقعہ ہے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ مسلمانوں کو کفار نے نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ کیونکہ وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کو تیار رہتے تھے لیکن ایسے موقعوں پر مسلمانوں کو اللہ کی رحمت و احسان پیتی اور وہ محفوظ رہتے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت بھی اللہ نے بار بار کی ہے اور حضورؐ معجزانہ طریقہ پر کفار کے حملوں سے محفوظ رہے ہیں۔ حضورؐ تو ہر حال نبیؐ آئے لیکن یہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایمان لانے والوں پر اللہ کی خاص رحمت رہتی ہے اُن پر اللہ کا یہ احسان ہوتا ہے کہ وہ دشمنوں اور منافقوں کی دشمنی سے اپنے مومن بندوں کو محفوظ رکھتا ہے، اس کی رحمت مومنوں پر چھائی رہتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نبیؐ کو تاہم یوں اور غلط اعمال کی وجہ سے وہ اس کی رحمت سے دور ہوتے جائیں۔ وہ اُن پر اپنا فضل کرتا رہے لیکن وہ قدر نہ ہائیں، اُن کے اعمال بگڑتے رہیں، ان کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل کے امیدوار ہی نہ رہیں، اور ان کے ہر عمل سے یہ ظاہر ہو رہا ہو کہ انہیں اس رحمت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ گویا ع ”وہ تو مائل بہ کرم

ہیں کوئی سائل ہی نہیں۔ پھر آخر کار ایک دن ایسا آتا ہے کہ خدا اپنی رحمت اور کرم سے انہیں دُور کر دیتا ہے، اور تب ہی اُن پر چھا جاتی ہے، اور یہ تب ہی اُن کی اپنی لائی ہوئی ہوتی ہے۔

ایمان لانے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے فضل کے طلبگار رہیں اور اس کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی راہیں پیدا کریں۔

### اللہ کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا  
فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ: ۳۵)

وہ اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ

تلاش کرو اور اُس کی راہ میں جدوجہد کرو امید ہے تمہیں کامیابی حاصل ہو۔

کامیابی کی کتنی راہیں قرآن نے ہمارے لیے کھول دی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ تم خدا سے ڈرتے رہو، اس کا تقویٰ اختیار کرو اور پھر وہ ذریعہ تلاش کرو جس سے تم اس تک پہنچ سکو۔ ہر اس ذریعے کے طالب رہو جس سے تم اللہ سے قریب ہو سکو اور اس کی رضا حاصل کر سکو، اور یہ تمام ذریعے اللہ نے قرآن میں بیان فرما دیئے ہیں، انسان کو اپنی طرف سے انہیں تجویز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ذریعے وہ تمام ہدایتیں ہیں جو مومنانہ زندگی کے لیے قرآن میں تفصیل سے دی گئی ہیں، جو کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ ان آیتوں کو پڑھے، سمجھے اور ان پر عمل کرے۔

اللہ تک پہنچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی یہی ہدایتیں ہیں۔ یہ تمام ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بتا دیئے ہیں، اور اسے بتا دینا ہی چاہیے، ورنہ ہر انسان اپنے اپنے ذریعہ تلاش کرنے لگتا، اور کسی کا کوئی ایک راستہ نہ ہوتا، اپنی اپنی مرضی کے مطابق وہ خدا تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ تلاش کرتا۔ اس لیے یہ ضروری تھا کہ مومنوں کے لیے کچھ راستے اور قاعدے مقرر کر دیئے جائیں۔ لیکن جن لوگوں نے ان ذریعوں کو کافی نہیں سمجھا ہے وہ الگ الگ راہوں پر ہیں، خدا کے مقرر کیے ہوئے قاعدے اور راستے سے ہٹ کر وہ اپنی مرضی سے نئے راستے بناتے ہیں اور خدا تک پہنچنے کے نئے نئے ذریعے تلاش کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بہک جاتے ہیں اور گناہ و شرک کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ سوچتے یہ ہیں کہ ایسا کرنے سے ہم خدا سے قریب ہو رہے ہیں، اور جو ذریعے ہم نے تلاش کیے ہیں یہی ہیں عذاب سے نجات دلا دیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ یہ لوگ خدا کو ناراض کر دیتے ہیں اور پھر اپنے کو سزا اور عذاب کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے کامیابی کے تمام طریقے ان کے سامنے رکھ دیئے ہیں، پھر تاکید فرمائی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور آخرت کے برے انجام سے ڈرو، اللہ تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ اس کی ہدایتوں پر عمل کر کے اس کے قریب ہو جاؤ تاکہ تمہاری آخرت خواب نہ ہونے پائے۔ یہیں بار بار نصیحت کی گئی ہے، بتایا اور سکھایا گیا ہے اور پھر ڈرایا گیا ہے۔ کامیابی کے تمام راستے ہمارے سامنے روشن ہیں۔ خدائی ہدایات ہمارے ساتھ ساتھ ہیں پھر بھی اگر ہم ناکامی کے اندھیروں میں بھٹکتے رہیں تو یہ ہماری بدقسمتی اور بد نصیبی ہے۔

پھر فرمایا، اس کی راہ میں جدوجہد کرو۔ یہاں لفظ ”مُحَادِّدٌ“ استعمال کیا گیا ہے جس کا پورا مطلب یہ ہے کہ جو قوتیں تمہیں اللہ کی راہ پر چلنے سے روکتی ہیں اور جو تمہیں خدا کی مرضی کے مطابق چلنے نہیں دیتیں بلکہ اس کی راہ سے ہٹاتی ہیں اور خود تمہیں خدا کا بندہ نہیں بلکہ اپنا یا اللہ کے سوا کسی اور کا بندہ بننے پر مجبور کرتی ہیں تم ان کے خلاف اپنی کوششیں ہماری رکھو، یہی کوششیں تمہیں فلاح اور کامیابی بخشیں گی، اور تم خدا سے قریب ہو جاؤ گے۔

اس طرح اس آیت کا مفہوم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مومن بندے کو ہر محاذ پر تیار رہنا چاہیے۔ ایک طرف شیطان اور اس کا لشکر اس کی راہ روک رہا ہے، دوسری طرف اس کا اپنا نفس اور اس کی خواہشات اللہ کی راہ پر بڑھنے میں رکاوٹ ڈالتی ہیں، اور تیسری طرف خدا سے پھرے ہوئے وہ انسان ہیں جن سے اُس کا ہر وقت کا ساتھ ہے۔ جو کتنی طرف وہ غلط نظام ہے جو اللہ کا قانون رائج کرنے نہیں دیتا اور اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ حق کی بندگی کے بجائے باطل کی بندگی کرے۔ یہ سب مختلف طریقے سے حملے کرتے ہیں لیکن ان کی کوشش یہی ہے کہ انسان خدا کی بندگی کو چھوڑے، اور ان کی بندگی کرے۔ ان کے نزدیک انسان کی ترقی یہی ہے، حالانکہ انسان کی ترقی اور اس کے خدا سے قریب ہونے کا راز اسی میں ہے کہ وہ مکمل طریقے سے خدا کا مطیع ہو جائے اور ظاہر سے باطن تک اسی کا بندہ بن جائے۔ اب مومن کو اپنے مقصد تک پہنچنے میں ان تمام قوتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں ان سے مقابلہ کرتا ہو، ان کا سرکھٹا ہوا ساری رکاوٹوں کو روندتا ہو، راہ خدا میں بڑھتا چلا جائے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

## خدا ترسی اختیار کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَشْكُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ مَرْقَاتًا وَيَكْفُرْ  
عَنْكُمْ مَسِيحَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

(الأنفال: ۲۹)

» اے ایمان لانے والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہارے کسوٹی

بہم پہنچا دے گا اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمہاری

غلطیوں کو معاف کرے گا۔ اللہ تو بڑا فضل فرمانے والا ہے ۛ

زندگی میں ہر کام کرتے وقت اللہ کی ناخوشی سے ڈرنا اور اس کام کے کرنے

میں وہ طریقہ اختیار کرنا جو اللہ کو پسند ہو۔ بس یہی تقویٰ کی جان ہے یہ بات جہل انسان

میں جتنی زیادہ ہوگی اس کی زندگی اتنی ہی تقویٰ کی زندگی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے کہ ہر مومن کو زندگی کے تمام کاموں میں اسی راہ کو اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ

پر ایمان لانے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان لینے اور آخرت پر

پکا یقین کر لینے کے بعد ہر شخص سے یہی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ زندگی میں کوئی

کام ایسا نہیں کرے گا جس میں اللہ کی ناخوشی کا ڈر ہو۔ وہ ہر ہر قدم پھونک

پھونک کر رکھے گا اور ہر آن اللہ کے قانون اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کا

محافظ رکھے گا ایسا ہی شخص متقی ہے۔

یہاں تقویٰ کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا، اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو

یہ تمہارے لیے بڑے فائدے کا کام ہوگا۔ اللہ تمہارے لیے کسوٹی بہم پہنچا

دے گا۔ کسوٹی اس چیز کو کہتے ہیں جو کھرے کھوٹے کا فرق بتاتی ہے ”فرقان“ کا یہی مفہوم ہے۔ تقویٰ کی راہ اختیار کرنے سے مومن میں اللہ تعالیٰ ایسی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرنے لگتا ہے، برائی اور بھلائی کو پہچاننے لگتا ہے۔ ہر بری بات اسے کھٹکنے لگتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف جانتے بوجھتے اس کے قدم نہیں اٹھتے۔ وہ یہ پہچاننے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں اور کون سے ناپسند۔ یہ صلاحیت قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرتی ہے اور اللہ کے فضل سے وہ ان غلط راہوں پر کھٹکنے سے بچ جاتا ہے جن پر اللہ کے نافرمان اور اس کو بھول جانے والے اکثر بھٹکا کرتے ہیں۔ اللہ کا ڈر دل میں ہو اور ہر وقت یہ دھیان رہے کہ کہیں کوئی ایسا کام تو نہیں ہو رہا ہے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہے اور دل میں خود بخود یہ خواہش پیدا ہو کہ ہم اپنا ہر کام خدا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کریں گے اور ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اسی کی رہنمائی طلب کریں گے تو پھر اللہ تمہارا تکیا کی وہ قوت عطا فرما دیتا ہے جس سے صحیح اور غلط کا فرق معلوم ہونے لگتا ہے۔ قوت تمیز خود یہ بتانے لگتی ہے کہ کیا کرنا چاہیے، کس راہ پر قدم اٹھانا چاہیے، کون سی راہ حق ہے اور خدا کی طرف جاتی ہے اور کون سی راہ باطل ہے اور شیطان سے ملاتی ہے۔

زندگی کے ہر موڑ پر برائیاں، قدم قدم پر شیطان کے پھندے اور نفس کے دھوکے ہیں۔ اگر کوئی شخص پورے ارادے اور پوری کوشش کے ساتھ ان سے بچنے کی فکر نہ کرے اور ہر وقت اللہ کی رضا اور اس کی ہدایت کی پیروی کو سامنے نہ رکھے تو یہ ڈر ہے کہ کہیں اس کا قدم پھسل نہ جائے اور کسی موقع پر



وہ شیطان یا نفس کا شکار نہ ہو جائے۔ جو لوگ تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور ان کے لیے سخت سالت میں بھی نیکی کی راہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ تقویٰ کی صفت سے بچنے اور برے میں تمیز پیدا ہوتی ہے اور پھر جب حق و باطل کا فیصلہ انسان کر لے تو یقیناً اچھے ہی کام کرے گا اور خدا کی مرضی تلاش کرنے کی فکر میں رہے گا اور یہ بڑے فائدے کی بات ہوگی، دنیا میں بھی غلبہ نصیب ہوگا اور آخرت میں بھی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ملیں گی۔ اس فائدے کے ساتھ ساتھ ایک اور فائدہ یہ بھی ہوگا کہ برائیوں کو دور کر دیا جائے گا اور غلطیوں کو معاف کر دیا جائے گا اور یہ غلطیاں اور برائیاں شخص سے ہوتی ہی ہیں چاہے انسانی برائیوں سے بچنے کا کتنا ہی اہتمام کرے۔ جو لوگ اپنی حد تک اللہ کی رضا پر چلنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور جانتے بوجھتے اس کی نافرمانی سے ڈرتے اور بچتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ایسی غلطیوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ پھر جو شخص اپنی زندگی کا کچھ حصہ غفلت اور نادانی کی وجہ سے، یا بے خبری اور جہالت کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی میں گزار چکا ہو اس کے لیے بھی ایمان اور تقویٰ کی یہی راہ نجات کی راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور ان کو اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ اب جو فیصل حاصل کرنا چاہے اس کے لیے پہلا اور ضروری کام یہ ہے کہ وہ تقویٰ کی صفت پیدا کرے۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ: ۱۱۹)

”اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو“

اس آیت سے پہلے حضرت کعبؓ اور اُن کے دو ساتھیوں کی توبہ قبول کرنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے تھے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ سے واپس آئے تو ۸۰ منافقوں نے ان کے سامنے آکر جھوٹے عذر بیان کر دیئے۔ لیکن یہ تینوں چونکہ منافق نہ تھے اس لیے انہوں نے سچی بات کہہ دی اور اور کوئی عذر گڑبھ کر بیان نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کا معاملہ خدا پر چھوڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ پچاس دن بعد معافی کا حکم خدا کی طرف سے آیا جس میں بڑی شفقت اور محبت سے ان کو معافی دی گئی ہے۔ اس معافی کے انداز میں جو رحمت اور شفقت ٹپک رہی ہے اس کی وجہ ان کا وہ اخلاص بھی ہے جو انہوں نے پچاس دن کی سخت سزا کے دوران دکھایا، اور وہ تقویٰ بھی ہے جس کی وجہ سے وہ سچ بولے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو وہی سچ بولتا ہے۔ اس لیے پہلے اللہ سے ڈرنے کی ہدایت دی گئی، پھر سچ بولنے اور سچے لوگوں کا ساتھ دینے پر ابھارا گیا تاکہ جس طرح ان سچے بزرگوں پر اللہ کی عنایتیں اور اس کی رحمتیں ہوں وہی انعام دوسرے سچ بولنے والوں کے حصے میں بھی آئے۔ جھوٹی باتیں بنانا تو منافقوں کا کام ہے۔ اور سچ ہی مومنوں کو ان سے ممتاز کرتا ہے۔

اللہ کو کثرت سے یاد کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۖ وَتَسْبِحُوهُ

## بُكْرَةٌ ذَا صَيْلًاہ (الاحزاب: ۴۱، ۴۲)

وہ اے ایمان لانے والو! اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور صبح شاکر اس

کی تسبیح کرتے رہو۔

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ بات ناجائز نہ تھی لیکن اس وقت معاشرے میں اسے حرام سمجھا جاتا تھا۔ منہ بولے رشتوں کے بارے میں بہت سی غلط رسوم رائج ہو گئی تھیں اس لیے انہیں توڑنے کی صورت یہی تھی کہ اللہ کا رسول عملاً ان کو توڑے۔ چنانچہ اللہ کی طرف سے اشارہ پا کر رسولؐ نے ایسا کر لیا اب دشمنوں کو موقع مل گیا اور وہ خوب خوب اعتراضات کرنے لگے طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کر دی، اور اللہ کے دین پر باتیں بنانے کے لیے رسولؐ کو ہدف بنایا اور پردہ پیگنڈے کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ ایسی حالت میں یہ ہدایت فرمائی گئی کہ ان لوگوں کی باتوں پر قطعاً دھیان نہ دیں، اپنے اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں، یہی ان کے لیے مفید ہے۔

یہاں اہل ایمان کو یہ نصیحت کی جا رہی ہے کہ حالات چاہے کیسے ناسازگار ہوں اور دشمن کتنی ہی مخالفت کر رہے ہوں وہ اس کی پروا نہ کریں، نہ ان کی باتوں پر دھیان دیں اور نہ مقابلے پر اتر آئیں۔ ان کا کام تو یہ ہے کہ ایسے حالات میں عام دنوں سے بڑھ کر اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں، اور یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب دل میں خدا کا خیال رچ بس جائے۔ ایسی حالت

میں ہر وقت اور ہر کام میں خدا ہی کا نام اس زباں پر رہے گا۔ یہ ایسی عبادت ہے جس میں انسان ہر وقت مشغول رہے گا۔ خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہر وقت اسے خدا کا دھیان رہے گا اور اس کا اثر اس کی زندگی پر پڑے گا، وہ اللہ کی طرف بڑھتا چلا جائے گا اور اس کا ایمان پختہ ہوگا۔

**اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات کیا کرو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۚ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۚ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

”اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور ٹھیک ٹھیک بات

کیا کرو اللہ تمہارے اعمال و وصیت کر دے گا اور تمہارے قصور معاف فرما دے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی ہے۔“

اس سے پہلے کی آیت جو اطاعت و عظمت رسول کے باب میں آرہی ہے اس میں مومنوں کے لیے ہدایت ہے کہ موسیٰؑ کی قوم کی طرح تم اپنے نبیؐ کو نہ سناؤ اس طرح نبیؐ کا تو کچھ نہیں بگڑتا، ستانے والے خود ہی ذلیل ہوتے ہیں، اور سزا بھگتتے ہیں، اللہ کے نبیؐ تو باعزت ہیں، وہ ان کی برات فرما دیتا ہے۔

اس لیے اے مومنو! تم اللہ سے ڈرو۔ تم تو ایمان لائے ہو، اس کے

رسولؐ پر ایمان لانے کا دعویٰ رکھتے ہو، اس لیے سوچ سمجھ کر ٹھیک ٹھیک بات کہا کرو کہیں تمہاری زبان سے رسولؐ کے خلاف کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جس کی تمہیں سزا بھگتنا پڑے، اور ذلیل ہونا پڑے۔ اگر تمہارے دل میں تقویٰ ہوگا تو تم دوسرے جاہلوں کی طرح اپنے نبیؐ کے خلاف باتیں نہ کرو گے۔ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے اور کوئی فلفط بات زبان سے نہ نکالی تو اللہ تمہارے اعمال درست کر دے گا، تمہیں سیدھے سچے مسلمانوں میں شامل فرمائے گا، اور گناہوں کو بخش دے گا، تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا اور دنیا اور آخرت کی بہترین کامیابیوں سے نوازے گا۔

اللہ سے ڈرو اور رسولؐ پر ایمان لاؤ  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ  
مِّنْ رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ  
رَّحِيمٌ (الحديد: ۲۸)

دے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کا دُہرا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں وہ نور بخشے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تمہارے قصور معاف کر دے گا، اللہ تو معاف کرنے والا مہربان ہے ۝

مومنوں سے یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تم محض زبان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار کر کے نہ رہ جاؤ بلکہ سچے دل سے ایمان لاؤ، اور ایمان لانے کا حق ادا کرو، اس پر تمہیں دُہرا اجر ملے گا۔ ایک اجر تو اس بات کا کہ تم کفر سے

اسلام کی طرف آئے ہو اور دوسرا اجر اس بات کا کہ تم پورے خلوص سے اسلام کے تقاضے پورے کر رہے ہو اور اس پر ثابت قدم ہو۔ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر اسلام میں داخل ہوئے تھے اس پوری سورۃ میں انہیں یہ دعوت دی گئی ہے کہ وہ صرف زبان کے مومن نہ بنیں بلکہ اخلاص کے ساتھ سچے دل سے ایمان لائیں۔ پھر انہیں یہ خوشخبری سنائی گئی کہ اگر سچے مومن بن کر انہوں نے زندگی گزار لی تو اللہ ان لوگوں کو عظم و بصیرت کا وہ نور عطا فرمادے گا جس کی روشنی میں وہ ٹیڑھی اور سیدھی راہوں میں خود ہی تمیز کر لیں گے۔ انہیں قدم قدم پر یہ محسوس ہوتا رہے گا کہ کون سا عمل جاہلیت کی ٹیڑھی ترچھی راہوں پر لے جاتا ہے اور کون سا کام اسلام کے سیدھے سچے راستے پر لا کھڑا کرتا ہے۔

ایمان کے تقاضے پورے کرنے کی پوری کوشش کے باوجود اگر تم سے کوئی غلطی ہو گئی تو اللہ معاف فرمادے گا۔ وہ قصور بھی درگزر کر دے گا جو ایمان لانے سے پہلے تم سے سرزد ہو چکے ہیں کیونکہ اللہ تو بڑا بخشنش کرنے والا اور مہربان ہے۔

# إِطَاعَتِ عَظَمَتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

مومن کا کام صرف یہ ہے کہ رسولؐ جس بات کا حکم  
 دیں اسے دل و جان سے بجالائے۔ وہ شخص مومن  
 نہیں جس کی خواہشات اس تعلیم و ہدایت کے  
 تابع نہ ہوں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی  
 ہے۔

رسول اللہ کی اطاعت میں زندگی گزارنے والے  
 قیامت کے دن انبیاء، صدیقین، شہداء اور  
 صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

رسولؐ کی عظمت اور احترام کرنا مومن کا تقاضہ ایمان ہے۔



## دَاعِيَانَهُ كِهَارُو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا دَاعِيَانَهُ دَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا  
وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرہ: ۱۰۴)

”اے ایمان لانے والو! دَاعِيَانَهُ كِهَارُو بلکہ اُنْظُرْنَا كِهَارُو اور

(توجہ سے) بات کو سنو، اور یہ کافر تو دردناک عذاب کے مستحق ہیں“

یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جن میں مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کو ان شرائطوں سے باخبر کیا جا رہا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جا رہی تھیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ پہنچے اور اسلام کی دعوت وہاں پھیلنے لگی تو اب یہودیوں کو تشویش ہوئی اور وہ سیدھے سچے مسلمانوں کو مذہبی بحثوں میں الجھانے لگے جس طرح خود مذہب کی باتوں میں جیل حجت کرتے۔ نبی کی مجلس میں بیٹھ کر اعتراضات کرتے، شک اور بحث مباحثہ کرتے، سوال میں سوال نکالتے۔ یہی بیماری وہ ان مسلمانوں کو لگا دینا چاہتے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں و میان سے سنا کرتے تھے۔ ان یہودیوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو اپنے سلام کلام میں ہر ممکن طریقے پر دل کا بخار نکالتے، طنزیہ باتیں کرتے اور کچھ اس طرح

کے الفاظ بولتے کہ ظاہری مطلب تو کچھ ہو مگر چوٹ نبیؐ پر پڑتی ہو۔ زور سے کچھ کہتے اور چپکے چپکے کچھ بڑبڑاتے۔ ظاہری آداب تو برقرار رکھتے، لیکن درپردہ توہین کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ کسی نہ کسی طرح نبیؐ کی دل آزاری کریں۔ قرآن میں جگہ جگہ ان کی اس گھٹیا درجے کی ذہنیت کو مثالوں سے پیش کیا گیا ہے۔ یہاں جس خاص لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے یہ ایک ایسا لفظ تھا جس کے دو معنی تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کے دوران یہودیوں کو یہ کہنا ہوتا کہ ذرا ٹھہریئے تو وہ رَاعِيْنَا کہا کرتے تھے۔ اس لفظ کا ظاہری مطلب تو یہ تھا کہ ذرا ہمارا رعایت کیجیے یا ہمارا بات سن لیجیے۔ مگر صرف یہی مطلب نہ تھا، عبرانی میں اس سے ملتے جلتے لفظ کے معنی تھے ”سن تو بہرا ہو جائے“ اور عربی میں بھی اگر اس کا آخری الٹ نہ پڑھا جائے تو معنی جاہل اور احمق کے آتے ہیں اور اگر یہ لفظ زبان کو ذرا دبا کر یعنی رَاعِيْنَا کر کے بولا جاتا تو اس کے معنی ہوتے ”اے ہمارے چرواہے“ اس لیے مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ تم یہ لفظ نہ بولا کرو، اس کے بجائے تمہیں ”اُنْظُرْنَا“ کہنا چاہیے جس کا مطلب ہے ہمارا طرف توجہ فرمائیے یا ہمیں ذرا سمجھ لینے دیجیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گفتگو کے دوران ایسے الفاظ بولنے سے پرہیز کرنا چاہیے جس سے کچھ اور معنی بھی لیے جاسکتے ہوں اور جن سے کسی کی توہین بھی ہو سکتی ہو۔ پھر فرمایا کہ ”توجہ سے بات کو سنو“ مطلب یہ کہ بار بار ٹھہرنے کے لیے کہنے کی ضرورت تو ان یہودیوں کو پیش آتی ہے جو دھیان سے بات نہیں سنتے۔ اور نبیؐ کی تقریر

سننے وقت اپنے خیالات اور سوال میں سوال نکالنے کی فکر میں الجھے رہتے ہیں۔  
 تمہیں تو چاہیے کہ بات کو غور سے سنو۔ تاکہ یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔  
 ان کافروں کو سخت عذاب ملنے والا ہے یہ اپنی حرکتوں کی سزا ضرور پائیں گے۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی معمولی ہدایت ہے جو نبی کے احترام  
 کے سلسلے میں مسلمانوں کو دی جا رہی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اصولی  
 ہدایت ہے۔ ایک سچا اور خدا پرست مومن کھلی ہوئی غلط باتوں اور نامناسب لفظ  
 گفتگو سے تو بچتا ہی ہے لیکن اس کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ گفتگو میں ایسا انداز بھی  
 استعمال نہ کرے جس کے معنی میں کچھ شبہ ہو یا اس لفظ کے ایسے دو معنی ہوں  
 جن کا مطلب کوئی غلط سمجھے چاہے اس لفظ کو وہ خود کتنا ہی اچھا سمجھ کر استعمال  
 کرے۔ لیکن اگر سننے والے لوگوں میں کسی کے بھی نزدیک اس کا مطلب کچھ اور  
 ہو سکتا ہو تو اس کا استعمال ہرگز نہ کرنا چاہیے۔ اس کے بدلے ایسا لفظ بولے جس  
 میں اس طرح کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔

یہاں مومنوں کو یہ ہدایت دینے کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ غیر اسلامی طرز گفتگو  
 استعمال نہ کریں۔ ان کی گفتگو شائستہ، مہذب اور اسلامی رنگ میں ہونا چاہیے۔  
 اپنے نبی کا احترام کریں، ان کی مجلس میں نامناسب الفاظ بولنے سے پرہیز کریں۔

اہل کتاب کی اطاعت کفر تک لے جا سکتی ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فِرْيَقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
 يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ۖ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَ أَنْتُمْ تُشْلَىٰ

عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ  
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (آل عمران: ۱۰۱-۱۰۲)

”اے ایمان لانے والو! اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں ایمان سے کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے اور تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے جو اللہ کا دین مضبوطی کے ساتھ تمہارے ساتھ ضرور سیدھا راستہ پالے گا۔“

جب اسلام پھیلنے لگا اور مسلمان مدینے میں آکر بسے تو بہت سے اسلام کے دشمن لوگ پیدا ہو گئے اور انہوں نے نئی نئی باتیں بنانا شروع کر دیں، اسلام کے خلاف کبھی کبھی کہتے اور کبھی کچھ۔ اور پھر یہی نہیں خود بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کرتے اور دوسرے سیدھے سچے مسلمانوں کو بھی ہرکاتے۔ جس طرح خود اسلام کی باتوں پر اعتراض کرتے۔ اسی طرح مسلمانوں کو سکھاتے اور اس کو شش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے دلوں میں ان کے دین کے خلاف باتیں بھر دیں۔ اس معاملہ میں اہل کتاب پیش پیش تھے مسلمان بڑے پریشان ہوتے۔ کبھی کبھی ان کا ذہن پہنکنے لگتا کہ وہ کیا کریں، کس کی بات مانیں۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اُس نے مومنوں کو پکارا اور فرمایا:

”اے ایمان لانے والو! خبردار ان لوگوں کی باتیں نہ ماننا، یہ تو ایسا گروہ ہے جو تمہیں دین پر چلتے نہیں دیکھ سکتا، یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں تمہاری آخرت

بگاڑنا چاہ رہے ہیں۔ اگر تم ان کے بہکانے میں آگئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر اسی کفر کے اندھیروں میں بھٹکنے لگو جہاں سے نکل کر تم نے ایمان کی روشنی پائی تھی۔ تم ان سے بچتے رہو اور اپنے ایمان کو بچالے کی فکر کرو۔  
پھر فرمایا کہ:

”جب اللہ کے احکام واضح طور پر تمہارے سامنے ہیں اور اللہ کا رسول بھی تمہارے درمیان موجود ہے جو تمہاری رہنمائی کر رہا ہے۔ گویا ایمان کی لڑائی تم پر روشن ہیں، پھر اس بات کا کیا موقع ہے کہ اب بھی تم اہل کتاب کی باتیں مان رہے ہو جو تمہیں بہکانا چاہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اللہ کے دین پر ثابت قدم رہا، اسی کے مطابق زندگی بسر کی وہی کامیاب ہے۔ اور سیدھا راستہ اسی کے لیے ہے۔“

یہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو دین کے خلاف سوچتے ہوں اور دیندار لوگوں کو بہکانے کی باتیں کرتے ہوں ان کی صحبت سے بھی بچنا چاہیے، ان کی باتیں نہ سننا چاہیے ورنہ ان کی سبکی چیمڑی باتوں میں الجھ کر دین اسلام ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ مومنوں کو تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ان کے پاس کتاب اور سنت اپنی تمام ہدایتوں کے ساتھ موجود ہے جس سے وہ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔ کسی اور سے رہنمائی طلب کرنے کا سوال ہی کیا ہے۔

**اسلام کا نظام اطاعت**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ

مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ  
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا

(النساء: ۵۹)

وہ اسے ایمان لانے والو! اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اور  
ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبِ امر ہوں پھر اگر تمہلے درمیان  
کسی معاملہ میں جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم  
واقعہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہو۔ یہ ایک صحیح طریقہ ہے اور انہماک کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔  
اس آیت میں مسلمانوں کے لیے نظامِ اطاعت پیش کیا گیا ہے۔ فرمایا تم  
اللہ، اس کے رسول اور صاحبِ امر لوگوں کی اطاعت کرو۔

اسلامی نظام میں اہل مطاع اللہ ہے یعنی سب سے پہلے اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے کیونکہ ایک مسلمان  
سب سے پہلے اللہ ہی کا بندہ ہے، اس لیے اس کی تمام وفاداری اور فرمانبرداری صرف اللہ ہی  
کے لیے ہونا چاہیے، دوسری اطاعتیں تو اس حال میں ضروری ہیں جب وہ  
خدا کے احکام کے مطابق ہوں۔ جو اطاعتیں اس کی اطاعت کے خلاف  
ہیں، چاہے وہ کسی کی ہوں ہرگز قبول نہ کی جائیں گی، جو اللہ کے احکام  
کے مطابق بات کہے اس کی اطاعت کرنا چاہیے اور جو ایسا نہ کرے اس کی  
اطاعت نہیں کرنا چاہیے۔

دوسرا حکم رسول کی اطاعت کے لیے دیا جا رہا ہے۔ یہ اطاعت بھی  
دراصل خدا کی اطاعت کی ایک صورت ہے، کیونکہ رسول ہم تک خدا کے احکام  
اور اس کی ہدایتیں پہنچا رہا ہے۔ خدا کا رسول ہونے کی وجہ سے ہم اس کی اطاعت

کر رہے ہیں، اس کی ذات کی اطاعت نہیں کر رہے ہیں۔ اسی لیے تو رسولؐ کی پیروی سے منہ موڑنا خدا کے خلاف بغاوت ہے۔

اب ان دو اطاعتوں کے بعد جس تیسری اطاعت پر ابھارا جا رہا ہے وہ ان اولی الامر کی اطاعت ہے جو مسلمانوں میں سے ہوں۔ اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں میں سے اُن کے ولی اور سرپرست ہوں، ان کے اجتماعی معاملات کے منتظم ہوں، اب چاہے وہ ان کے ذہن و فکر کی رہنمائی کر رہے ہوں یا سیاست اور ملکی انتظام میں ان کے لیڈر اور حاکم ہوں یا انہیں مسلمانوں نے اپنا سردار چنا ہو۔ غرض جو جس حیثیت سے بھی مسلمانوں کا صاحب امر ہے، وہ اطاعت کا مستحق ہے اور اس سے جھگڑا کر کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں خلل ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ لیکن اس کی اطاعت کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ وہ خود بھی خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرنے والا ہو، اور ان کے احکام کے مطابق حکم دینے والا ہو۔ اس شرط کے ساتھ تو اس کی اطاعت کی جا سکتی ہے ورنہ نہیں۔

ان تینوں اطاعتوں کے حکم کے بعد یہ بات ایک اصول کے طور پر طے کر دی گئی کہ اس نظام میں خدا کا حکم اور رسولؐ کا طریقہ بنیادی قانون اور آخری سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے درمیان کسی بات پر اگر کوئی جھگڑا یا اختلاف رائے ہو تو فیصلہ کے طور پر قرآن اور سنت سے مدد لینی چاہیے اور جو فیصلہ اس کے مطابق ہو اسے بے چون و چرا مان لینا چاہیے۔ اسلامی نظام کا تقاضا ہی یہ ہے کہ زندگی کے تمام مسائل کتاب و سنت کے

مطابق طے کیے جائیں۔ یہ بات جس نظام میں نہ ہو وہ غیر اسلامی نظام ہے۔  
 بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حکومت کے کچھ قواعد اور کچھ ضابطے ایسے  
 ہیں جن کے بارے میں کتاب اور سنت سے کوئی حکم نہیں ملتا، تو ایسے میں مومن  
 کا کام یہ ہے کہ جو حکم ملے اس کی تو پیروی کرے۔ اور اگر کوئی حکم نہ ملے تو اسے  
 وہ اپنے لیے آزادی سمجھے۔ لیکن ہر کام کرتے وقت یہ دھیان ضرور رہے کہ  
 وہ بندہ ہونے کی وجہ سے بس ایک دائرے کے اندر ہی آزادی سے بھی فائدہ  
 اٹھا سکتا ہے۔

ان سارے احکام کی پیروی وہی کر سکتا ہے جو حقیقت میں اللہ پر ایمان لایا  
 ہو اور آخرت کے دن پر اسے پختہ یقین ہو، اور ساتھ ہی اسے یہ بھی یقین ہو کہ ان  
 سارے احکام میں حکمت اور مصلحت پوشیدہ ہے ان سارے احکام کی  
 پیروی کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ مسلمان ہونے کا دعویٰ اسی وقت پورا ہو سکتا  
 ہے جب ان باتوں پر یقین بھی ہو اور عمل بھی۔ اور ان ہی اصولوں کو زندگی میں اپنلے  
 لینے سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی سعادت نصیب ہو سکتی ہے اور اسی سے  
 ماقبت بھی ٹھیک ہو سکتی ہے۔

### رسول کی اطاعت کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَاتَّبِعُوا  
 تَسْمَعُونَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ

(الأنفال: ۲۰، ۲۱)



مداے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو  
اور حکم سننے کے بعد اس سے منہ نہ موڑو اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں  
نے کہا ہم نے سن لیا سالا لکہ وہ نہیں سنتے ۛ

ایمان کے بعد اطاعت لازمی شرط ہے، اسی لیے ایمان لانے والوں سے  
کہا جا رہا ہے کہ ہر قسم کی کامیابی کے لیے چاہے وہ آخرت کے اجر اور ثواب  
حاصل کرنے کے لحاظ سے ہو یا دنیا میں سر بلند اور با عزت ہونے کے اعتبار  
سے ہو، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے۔ جانا اور  
ماننا یہی ایمان ہے اور کامیابی کی پہلی شرط ہے۔ جو لوگ کامیابی کے اصولوں کو  
نہ جانتے ہوں یا جان کر انہیں نہ ملتے ہوں ان کے کامیاب ہونے کا کوئی سوال  
ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اسی طرح جو لوگ صرف جانتے اور ملتے کو ہی کافی سمجھ لیں  
وہ بھی کامیاب نہیں ہو سکتے انہیں اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہیے۔

آخرت کی کامیابی اور دنیا کی سرفرازی کے لیے اللہ کو اپنا آقا اور اپنا  
معبود ماننا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کرنا لازم ہے۔ لیکن  
اللہ اور اس کے رسول پر صرف ایمان لے آنا کافی نہیں ہے اس کے بعد اطاعت  
اور فرمانبرداری لازمی ہے۔ جو شخص اللہ کے احکام سنے اور پھر ان کے مطابق  
عمل کرنے کے بدلے ان سے منہ پھیر لے تو چاہے وہ زباں سے اللہ کے  
مالک، آقا اور معبود ہونے کا اقرار کر لے لیکن کم از کم اس نے اپنے عمل سے تو  
یہی اعلان کر دیا کہ وہ اللہ کو اپنا خدا نہیں مانتا۔ اسی طرح جو شخص حضرت محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تو مانتا ہے لیکن جب اس سے کہا جاتا ہے کہ

حضورؐ نے اس کام کا حکم دیا ہے، اور اس سے روکا ہے تو وہ منہ بناتا ہے اور اللہ کے رسول کے بدلے پیروی دوسروں کی کرتا ہے تو چاہے وہ زبان سے آنحضرتؐ کی رسالت کا قائل ہی کیوں نہ ہو لیکن اس نے اپنے عمل سے تو آپؐ کے رسول ہونے کا انکار ہی کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو خطاب فرما کر ہدایت فرما رہا ہے کہ اے ایمان لانے والو! تم نے جب اللہ کو اپنا آقا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لیا ہے تو پھر تابعداری بھی اللہ اور اس کے رسول ہی کی کرو۔ اُن کے احکام سن کر منہ مت موڑو، ان کی بات سن کر سنی اُن سنی مت کر دو، یہ رُوئے غلط ہے اور اس کے نتیجے میں کوئی کامیابی نہیں مل سکتی، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کا رُوئے یہی تھا کہ وہ زبان سے تو کہتے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی جانتے ہیں اور اس کی کتاب توراۃ یا انجیل پر ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ زندگی کے کاموں میں نہ تو اللہ کا کہا مانتے اور نہ رسولوں کی ہدایات پر عمل کرتے۔ ہر کام میں یا تو اپنی من مانی کرتے یا اپنے باپ دادا کے رسم و رواج پر چلتے یا پھر دوسرے شیطانی نداؤں کی اطاعت میں لگے رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت فرمائی ہے کہ کہیں تم بھی ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو کہتے تو سب کچھ ہیں مگر کرتے کچھ نہیں۔

جہالت اور بے یقینی یقیناً گمراہی کا سبب ہے۔ جو شخص اپنی منزل کی راہ کو جانتا نہ ہو یا اسے پوری طرح یہ یقین نہ ہو کہ یہ راہ اسے منزل تک پہنچا سکتی ہے

یا نہیں وہ یقیناً اُدھر اُدھر بھٹک سکتا ہے لیکن سب سے بڑی گمراہی بے عملی ہے۔ منزل کی راہ کا صحیح علم اور اس پر پورا یقین ہرگز منزل تک نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ اس راہ پر سفر نہ کیا جائے۔ آج مسلمانوں کی گمراہی کا سبب لاعلمی اور بے یقینی نہیں ہے بلکہ بے عملی ہے۔ بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ کامیابی کی صحیح راہ کیا ہے اور انہیں اس کے ٹھیک ہونے کا یقین بھی ہے لیکن بہت ہی تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو اس علم اور یقین کے مطابق کوئی حرکت بھی کرنا چاہتے ہوں۔

### رسول کی پکار پر لبیک کہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَوَدِّهِ وَأَنَّهُ إِلَٰهٌ مُّخْتَصِمٌ ۝

(الأنفال: ۲۴)

”اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہو

جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔ اور جان لو

اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اسی کی طرف تم سمیٹ

لیے جاؤ گے۔“

یہاں اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت پر اُبھارا جا رہا ہے فرمایا اے

مومنو! جب رسول تمہیں زندگی بخشنے والے کام کی طرف بلائے تو دیر نہ کیا کرو

زندگی بخشنے والے کاموں سے مراد ہر نیک کام ہے۔ ایسے کام جو اللہ کے

حضور کامیابی اور کامرانی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پکار کر لبیک کہنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہر ہدایت کو دل سے مان لیا جائے۔ اور ہر حکم پر سر اطاعت جھکا دیا جائے۔ یہ اس کام اور ہدایتیں ایسی ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان ابدی زندگی میں بھی کامیاب ہوگا اور اس دنیا کی زندگی میں بھی ترقی کے نیسے ملے کرے گا۔ اور آخر کار اس زندگی پر پہنچ جائے گا جو حقیقی معنوں میں ترقی اور کمال کی آخری منزل ہے۔ اللہ کا دین زندگی بخشنے والا ہے۔ حقیقی حیات اور سچی کامیابی کا سرچشمہ ہے، اس کا ثبوت تاریخ سے ملتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب عرب جیسی غیر ترقی یافتہ قوم نے اس پر لبیک کہا تو دیکھتے ہی دیکھتے اسے دنیا میں کیا مقام حاصل ہو گیا۔ تمدن، معاشرت، معیشت، اخلاق، سیاست، جہاں داری، جہان بینی غرض زندگی کا کون سا شعبہ تھا جس میں وہ سارے عالم کے امام بن گئے۔ اہل عرب جو اسلام کی دعوت سے پہلے بہت پست مانے جاتے تھے اور انہیں اُچی کہا جاتا تھا جب اس زندگی بخشنے والے پیام سے بہرہ مند ہوئے تو کیسے بڑے بڑے صحابی پیدا ہوئے، دنیا نے ان کا لوہا مانا اور انسانیت، شرافت، عدل و انصاف، رحم دلی اور ہمدردی کا سبق ان سے سیکھا۔

پھر فرمایا کہ اس بات پر تمہارا یقین بچھڑنا چاہیے کہ تمہارے اور تمہارے دل کے درمیان اللہ موجود ہے جسے تمہارے ایک ایک کام کی یہاں تک کہ تمہارے افکار اور خیالات کی بھی خبر ہے۔ وہ تمہاری ایک ایک بات جانتا ہے، اور پھر آخر کار تمہیں لوٹنا تو اسی کی طرف ہے۔ ایک دن آئے گا کہ تم سب کو سمیٹ لیا جائے گا اور اس کے حضور حاضر کیا جائے گا۔

انسان کو سیدھی راہ چلانے کے لیے اور اسے نفاق کے روگ سے محفوظ رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دو عقیدے بہت اچھی طرح اس کے دل میں گھر کر لیں، ان عقیدوں پر اس کا ایمان جتنا پختہ ہوگا، وہ اتنا ہی غلط راہوں سے بچ سکے گا اور صحیح مومنانہ زندگی بسر کر سکے گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسے یہ یقین ہو کہ معاملہ اس خدا کے ساتھ ہے جو دلوں تک کے حالات جانتا ہے، انسان اپنے دل میں جو ارادہ کرے جو خواہش رکھے اور جو خیالات پیدا ہوں وہ ان سے بھی باخبر ہو جاتا ہے کوئی بات ایسی نہیں ہو سکتی جس کا خیال انسان کے دل میں آئے اور وہ خدا سے چھپی رہ سکے۔ دوسری بات یہ کہ جاننا بہر حال خدا کے سامنے ہے، اس سے بچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ زمین آسمان میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں چھپ کر اس کی پکڑ سے بچ سکیں۔ ایک ایک عمل کا حساب اسی کے سامنے جا کر پیش کرنا ہے۔ یہ دو عقیدے جتنے پختہ ہوں گے انسان اتنا ہی نیکی کی راہ پر ثابت قدم رہ سکے گا اور برائیوں سے بچ سکے گا۔ اسی لیے منافقت کے خلاف نصیحت کے سلسلے میں ان دونوں عقیدوں کا تذکرہ قرآن میں بار بار آتا ہے۔

رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا  
أَمْنَكُمْ وَآمْنَكُمْ تَعْلَمُونَ (الأنفال: ۲۴)

”اے ایمان لانے والو! جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ

ساتھ خیانت نہ کر د اپنی امانتوں میں بھی غداری نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے پاس جو کچھ ہے وہ دراصل اللہ اور اس کے رسول کی امانت ہے۔ اسی لیے امانت میں خیانت نہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ ہمارا نہیں ہے، اللہ کا ہے، اس کی امانت ہے۔ کون سی چیز ایسی ہے جسے اپنا کہا جاسکے؟ سب کچھ امانت ہی ہے۔ ہمارا جسم، ہماری عقل، ہمارے اعضاء، ہمارا مال اسباب، غرض یہ کہ ذرہ ذرہ اور رونا رونا سب کچھ اللہ ہی کا ہے، اسی نے یہ سب چیزیں عطا کی ہیں، اپنی مہربانی سے ان سب کو کارآمد بنایا ہے۔ وہی ان سب کا اصلی مالک ہے۔ مسلمان کا رُویت ان چیزوں کے بارے میں یہی ہونا چاہیے کہ وہ ان میں سے کسی چیز سے بھی اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ لے، اپنی ہر قوت اور ہر صلاحیت کو اسی راہ میں لگا دے جو اللہ کو پسند ہو۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو گویا وہ اللہ کی امانت میں خیانت کر رہا ہے۔

اسی طرح ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد مسلمان اپنے آپ کو بالکل اللہ کے رسول کی اطاعت میں دے دینے کا اقرار کرتا ہے۔ اب اس اقرار اور اس دعویٰ کے بعد اگر کوئی شخص زندگی کے کسی معاملے میں وہ راہ اختیار کرتا ہے جو اللہ کے رسول کی اطاعت سے الگ ہو تو وہ دراصل رسول کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور بدعہد می کرتا ہے۔ مسلمان کا کام یہ نہیں کہ وہ رسول کو رسول بھی مانے اور پھر زندگی کے کاموں میں وہ راہ اختیار کرے جو رسول کی اطاعت کے خلاف ہو۔

نافرمانی اسلام کی ضد ہے۔ جہاں اسلام ہوگا وہاں نافرمانی نہیں ہو سکتی۔  
 پھر فرمایا اپنی امانتوں میں بھی غداری نہ کرو۔ اپنی امانتوں سے مراد وہ ساری  
 ذمہ داریاں ہیں جو کسی پر اعتبار کر کے اس کے سپرد کی جائیں۔ یہ ذمہ داریاں چاہے  
 اجتماعی معاہدات کی ہوں یا جماعت کے رازوں کی۔ یا پیشوائی اور سرداری کی۔  
 ان سب میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ذمہ داری کے یہ منصب اور مرتبے  
 ہمیشہ ان لوگوں کو دینا چاہیے جو اس کے اہل ہوں، بااخلاق اور باکرہ دار ہوں،  
 امانت دار ہوں۔ نیک نیت ہوں اور ان میں اس ذمہ داری کو اٹھانے کی صلاحیت  
 ہو۔ اور اگر یہ ذمہ داری تمہارے سپرد کی جائے تو تم پوری ایمان داری اور  
 خلوص کے ساتھ اسے انجام دو۔ اور جب یہ ذمہ داری سپرد کی جاتی ہے تو  
 گویا امتحان لیا جاتا ہے کہ دوسروں کے حقوق کا کہاں تک خیال ہے! ایمان داری  
 اور نیک نیتی کس حد تک موجود ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے  
 مالی مفاد اور دنیوی فائدوں سے ہٹ کر آخرت کے ملنے والے اجر پر نظر  
 رکھے اور خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین اس کے دل میں ہو۔

نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ  
 إِلَى طَعَامٍ غَيْرِ نَظِيرِهَا وَلَئِنْ أَذِنَ لَكُمْ فَمَا تَدْخُلُوا فَادْخُلُوا فَمَا تَدْخُلُوا  
 طَعَامُكُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ  
 يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَدْخِلُ مِنْكُمْ وَلَا يَسْتَدْخِلُ مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ

مَتَاعًا فَاسْئَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقَوْلِكُمْ وَقُلُوهُنَّ  
وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تُشْكِرُوا أَرْوَاحَهُ مِنْ  
بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا (الاحزاب: ۵۳)

”اے ایمان والے! والو! نبیؐ کے گھروں میں بغیر اجازت نہ آجایا کرو

نہ کھانے کے وقت تاکا کرو ہاں اگر تمہیں بلایا جائے تو ضرور آؤ پھر جب

کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، باتیں کرنے میں نہ لگے۔ یہ تمہاری یہ حرکتیں نئی

کو تکلیف دیتی ہیں مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے اور اللہ حق بات کہنے میں

نہیں شرماتا اور جب تم نئی کی بیویوں سے کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ تمہارے

لیے جائز نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دو۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے

بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔“

اہل عرب میں یہ قاعدہ عام تھا کہ وہ بے تکلف جس وقت چاہتے ایک

دوسرے کے گھروں میں چلے جاتے۔ یہ بڑی بُری بات تھی۔ اس سے بڑی خرابیاں

پیدا ہوتی تھیں۔ نبی اکرمؐ کے گھر میں بھی لوگ اسی طرح گھس آتے۔ آپؐ کو یہ بات بُری

لگتی۔ بہت سے صحابہؓ بھی کہتے کہ یا رسول اللہ! آپؐ کے گھر اچھے اور بُرے

ہر قسم کے لوگ آتے ہیں اکاش آپؐ اپنی ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم دیتے۔

لیکن رسول اللہؐ خود کوئی قانون کیسے بنا سکتے تھے۔ اس لیے خدا کے حکم کے

منتظر رہے۔ آخر کار یہ حکم آگیا جس میں نبیؐ کے گھروں میں بغیر اجازت جانے سے

روک دیا گیا۔ اگرچہ یہاں یہ حکم نبیؐ کے گھر کے لیے دیا گیا ہے لیکن سورہ نور میں



اس طریقے کو تمام مسلمانوں کے گھروں میں رائج کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔  
 عرب والوں میں یہ بد تہذیبی بھی تھی کہ کسی دوست یا ملاقاتی کے گھر تاک کر اس  
 وقت پہنچتے جب کھانے کا وقت ہوتا یا اس کے گھر اگر اتنی دیر بیٹھے رہتے کہ  
 کھانے کا وقت ہو جاتا۔ گھر والا ایسے موقع پر سخت پریشان ہوتا کہ کرے تو  
 کیا کرے۔ اگر یہ کہہ دے کہ میرے کھانے کا وقت ہے آپ تشریف  
 لے جائیے تو بے مروتی ہے۔ اور اگر کھلائے تو اچانک آجانے والوں کے  
 لیے انتظام کیسے کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی خراب عادت سے منع فرمایا اور  
 حکم دیا کہ کسی کے گھر کھانا کھانے کے لیے اس وقت جانا چاہیے جب گھر  
 والا کھانے کی دعوت دے۔ یہ حکم نبیؐ کے گھر کے لیے دیا جا رہا ہے، اس  
 لیے کہ اس نمونے کے گھر میں یہ قواعد دیکھ کر سارے مسلمانوں کے گھروں  
 میں یہ تہذیب اور یہ آداب رائج ہو جائیں۔

پھر ایک اور خراب عادت کی اصلاح کی گئی۔ فرمایا کہ جب تم دعوت میں جاؤ تو  
 کھانا کھانے کے بعد منتشر ہو جاؤ۔ یہ بات اکثر پائی جاتی ہے کہ کھانے سے  
 فارغ ہو کر لوگ دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آپس میں ایسی گپ شپ شروع کر دیتے  
 ہیں جو کسی طرح ختم نہیں ہوتی۔ گھر کے سب لوگوں کو زحمت ہوتی ہے مگر وہ اس  
 کی پروا نہیں کرتے۔ اس خراب عادت کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بیٹھ  
 کر بھی یہی حرکتیں کیا کرتے تھے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعلیٰ اخلاق کی وجہ  
 سے انہیں کچھ نہ کہتے اور برداشت کر لیتے۔ جب یہ حرکت بہت ہی بڑھ گئی تو پھر  
 اللہ تعالیٰ نے خود ان بڑی مادوں پر ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری ان

خراب حرکتوں سے نبیؐ کو تکلیف ہوتی ہے۔ نبیؐ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ صبر و برداشت اور کریمانہ اخلاق کی وجہ سے وہ تمہیں ٹوکتے بھی نہیں، اسی طرح مروت اور اخلاق سے ملتے رہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اس رُؤیہ سے اُن کو مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا، اسے تمہاری ساری حرکتوں کا علم ہے اس لیے وہ تمہاری غلط باتوں پر ضرور تنبیہ کرے گا۔

پھر دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ اگر تمہیں نبیؐ کی بیویوں سے کچھ مانگنا یا کچھ پوچھنا ہو تو پردے کے پیچھے سے ایسا کرو۔ یعنی ازواجِ مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے اور چونکہ حضورؐ کا گھر تمام مسلمانوں کے گھروں کے لیے نمونہ تھا اس لیے تمام مسلمانوں کے گھروں میں پردے لٹکا دیئے گئے اور عورتیں پردہ کرنے لگیں۔

غیر لوگوں کے سامنے آکر بات نہ کرنے اور پردے کے پیچھے سے ایسا کرنے کی مصلحت یہ بتائی گئی کہ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کا بہترین طریقہ ہے۔ یعنی غیر محرم لوگوں کے سامنے آنے جانے سے معاشرے میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہونے کا ڈر ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہیں اللہ کے رسولؐ کو تکلیف نہ دینی چاہیے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام تراشی جا رہے تھے اور کفار و منافقین کے ساتھ کچھ کمزور ایمان کے مسلمان بھی اس میں شریک ہو گئے تھے۔ پھر ازواجِ مطہرات کے احترام میں ایک اور حکم یہ ارشاد فرمایا گیا کہ اسے

مومنو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اُن کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ سورۃ احزاب کے شروع میں بھی یہ حکم دیتے ہوئے مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تو تمہاری مائیں ہیں اور یہ تم پر اسی طرح حرام ہیں جیسے تمہاری حقیقی مائیں۔ یہ مخصوص معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دنیا میں کسی انسان کے ساتھ نہیں ہے۔ ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے اہمات المؤمنین کا درجہ دیا ہے، ان کی تعظیم و تکریم مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

اس سلسلے میں غلط فہمی سے بچنے کے لیے یہ جان لینا چاہیے کہ تعظیم و تکریم کرنے اور ان سے نکاح نہ کرنے کی ہدایت اس لیے تو ضرور دی گئی ہے کہ وہ ماں ہیں لیکن دوسرے احکام میں وہ ماں کی طرح نہیں ہیں۔ یعنی حقیقی رشتہ داروں کے علاوہ سب مسلمان ان کے لیے غیر محرم تھے۔ جن سے پردہ بھی ضروری تھا، ان کی صاحبزادیاں بہنیں نہ تھیں، ان کے بھائی بہن مسلمانوں کے لیے خالہ اور ماموں کے حکم میں نہ تھے۔ یعنی ان سب سے نکاح ہو سکتا تھا۔ اسی طرح ان مسلمانوں کو جو رشتہ دار تھے وہ میراث بھی نہیں مل سکتی تھی جو ایک حقیقی ماں سے ملتی ہے۔

بے شک اللہ کو تو سب کی ہر کھلی اور چھپی بات کی خبر ہے۔ یعنی اگر کوئی حضورؐ کے خلاف دل میں برا خیال رکھے گا یا آپؐ کی بیویوں کے متعلق کوئی بری بات سوچے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ضرور آجائے گی اور پھر اسے اس کی سزا ملے گی۔  
نبی پر درود و سلام بھیجو

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۵۶)

وہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اسے ایمان لانے والو!

تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

اللہ کی طرف سے اپنے نبی پر درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نبی پر بہت مہربان ہے وہ آپ کی تعریف فرماتا ہے، آپ کے کام میں برکت دیتا ہے اور آپ پر رحمتوں کی بارش کرتا ہے، فرشتوں کی طرف سے درود بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو آپ سے بڑی محبت ہے وہ آپ کے حق میں اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ آپ کے درجات کی بلندی کی دعائیں کرتے ہیں۔

اس طرح بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دھارس بندھائی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلام دشمن لوگ دین کو پھلتا پھولتا دیکھ کر جل رہے تھے اور اپنے دل کا بخار نکالنے کے لیے آپ پر اعتراضات کیے جا رہے تھے۔ اس طرح وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم رسول کو بدنام کریں گے تو اسلام کا وہ اخلاقی اثر ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ان حالات میں یہ آیت نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو یہ بتا دیا کہ یہ کافر، مشرک اور منافق نبی کو بدنام کرنے اور نیچا دکھانے کی چاہے جتنی کوشش کریں آخر کار منہ کی کھائیں گے اس لیے کہ اللہ اس ذات پر خود مہربان ہے۔ اور فرشتے بھی اسی کی تعریفوں کے چرچے کر رہے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اس کے ساتھ ہیں اور فرشتے یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ اے رب! محمدؐ کا مرتبہ اور زیادہ اونچا کر اور اس کے دین کو فروغ دے۔ اب یہ لوگ کیا کر سکتے ہیں۔

پھر مومنوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ تم بھی نبیؐ پر درود و سلام بھیجو۔ اس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ اے لوگو! محمدؐ کی بدولت تمہیں سیدھا راستہ ملا۔ انہوں نے تمہاری رہنمائی کی۔ تمہیں اللہ کا نیک بندہ بنایا۔ اگر تم سوچو تو پتہ چلے کہ نبیؐ کے تمہارے اوپر کتنے احسانات ہیں۔ تم جاہل تھے انہوں نے علم بخشا، تم حیوانیت میں مبتلا تھے، انسانیت اور بہترین تہذیب سے فوزا۔ تمہارے اخلاق خراب تھے تمہیں وہ بہترین اخلاق سکھائے کہ آج ساری دنیا تم پر رشک کرتی ہے تمہیں نبیؐ نے اخلاق و کردار کی دولت سے مالا مال کیا ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ ان کی قدر پہچانو اور جس طرح بھی ہو سکے ان کے اس عظیم احسان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرو۔

اس آیت میں مومنوں کو درود بھیجنے کا حکم صَلُّوا عَلَیْہِ کے الفاظ میں دیا گیا۔ یعنی تم ان سے بے انتہا محبت کرو، ان کی تعریف کرو، اور ان کے لیے دعا کرو۔ پھر صَلُّوا تَسْلِیْمًا فرما کر یہ سمجھایا گیا کہ تم ان کے حق میں سلامتی کی دعا کرو۔ پوری طرح دل و جان سے ان کا ساتھ دو، ان کی مخالفت سے بچو، اور اُن کے سچے فرمانبردار بنو۔

اس سلسلے میں بہت سے درود و سلام حضورؐ نے سکھائے ہیں جو سب حدیثوں میں موجود ہیں۔ ان میں حضورؐ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھ پر درود بھیجنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم دُعا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یعنی اے اللہ! تو محمدؐ پر درود بھیج۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو درود بھیجنے کی ہدایت کی گئی اور الفاظ ایسے سکھائے گئے جس میں اللہ سے درود بھیجنے کو کہا جا رہا ہے،

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا بھی درود بھیجیں ان کے احسانوں کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ ہم حضورؐ کے مراتب بلند نہیں کر سکتے، اللہ ہی کر سکتا ہے۔ ہم آپؐ کے احسانات کا اجر نہیں دے سکتے، یہ قدرت تواللہ ہی کو ہے، اسی لیے ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ آپؐ پر درود بھیجے، آپؐ پر اللہ کا فضل ہو، آپؐ کے مرتبے بلند ہوں، ہمارے اوپر نبیؐ کی صلوات کا جو حق ہے اسے ادا کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ ہی ہماری طرف سے اسے ادا کر دے۔

جو درود ہمیں سکھائے گئے ہیں اُن میں ازواج، ذریت اور آل کے حق ہیں بھی دعائے معنی حضورؐ نے یہ گوارا نہیں کیا کہ تنہا اپنی ذات کے لیے اس دعا کو مخصوص کر لیں، بلکہ اپنے ساتھ اپنی بیویوں اور اولاد کو بھی شامل فرمایا ہے ساتھ ہی اس دعائیں آل کا بھی ذکر ہے۔ آل سے مراد صرف حضورؐ کا خاندان ہی نہیں بلکہ اس میں وہ سب لوگ ہیں جو آپؐ کی پیروی کریں، آپؐ کے نقش قدم پر چلنے والا ہر شخص آل میں شامل ہے چاہے اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کی رشتہ داری بھی نہ ہو۔

درود و سلام پڑھنے والے کے لیے بڑا اجر ہے اور یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ ظاہر ہے درود وہی پڑے گا جسے یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب سے بڑے محسن ہیں، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ محمدؐ اور محمدؐ کے دین سے تعلق کتنا گہرا ہے، اور ایمان کی قدر دل میں کس حد تک موجود ہے پھر بے انتہا اجر کا اندازہ تو ان دد حدیثوں سے ہوتا ہے۔

نبیؐ نے فرمایا ————— ”جو شخص محمدؐ پر جتنی دیر درود بھیجتا رہتا ہے۔ فرشتے بھی اس پر اس وقت تک درود بھیجتے رہتے ہیں“  
دوسری جگہ فرمایا:-

”جو محمدؐ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ اُس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔“

## نبیؐ کو نہ ستاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ إِذْ دَامُوا مُلَىٰ قَبْرَاهُ  
اللَّهُ مِمَّا قَالُوا كَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيزُهُمْ (الاحزاب: ۶۹)

”اے ایمان لانے والو! اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰؑ کو تکلیفیں دی تھیں پھر اللہ نے ان کی بنائی ہوئی باتوں سے اس کی برأت فرمائی اور وہ اللہ کے نزدیک عزت والا تھا۔“

یہاں ان مومنوں کو شرم دلائی جا رہی ہے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ہیں ان لوگوں کی طرح جو حضرت موسیٰؑ کو ستاتے تھے اور ان پر باتیں بناتے تھے۔ مومنوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم اپنے نبیؐ کے ساتھ ایسا سلوک اور برتاؤ نہ رکھو جیسا کہ نبی اسرائیلؑ نے اپنے نبی حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم پر بڑے بڑے احسانات کیے لیکن ان کی قوم نے ان کی قدر نہ پہچانی اور انتہائی ذلیل حرکتیں کیں۔ ان کے ساتھ بڑے بڑے طریقہ سے پیش آئے، اور پھر اس احسان فراموشی اور نبی کا احترام نہ کرنے کی سزائیں ان کا جو بدترین انجام ہوا وہ سب جانتے ہیں۔

اسی لیے قرآن مجید اپنے ملنے والوں کے سامنے بنی اسرائیل کی مثال رکھ کر انہیں خبردار کر رہا ہے کہ دیکھو تم اپنے نبیؑ کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو۔ انہیں دکھ نہ دو، اُن پر باتیں نہ بناؤ ورنہ پھر اس انجام کے لیے تیار ہو جاؤ جو یہودی دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔

اللہ تو اپنے نبیؑ کو ان کی بنائی ہوئی باتوں سے بری کر دیتا ہے۔ یعنی اللہ کو ہر بات کا علم ہے، منافقوں کی جھوٹی باتیں بنانے سے نبیؑ کا کچھ نہیں بگڑتا یہ لوگ تو خود ہی ذلیل ہو رہے ہیں اور اپنی آخرت، خراب کر رہے ہیں، ان کے باتیں بنانے سے اللہ کے نبیؑ کی عزت کم نہیں ہو جاتی۔ اللہ کے نزدیک تو وہ اسی طرح باعزت رہتے ہیں۔

### اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا  
أَعْمَالَكُمْ (مائدہ: ۳۲)

”اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو

اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو“

ایمان لانے والوں کو اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم مومن ہوتے ہوئے بھی اللہ کے یہاں اجر نہ حاصل کر سکو۔

اللہ نے تمہارے سامنے اپنی ساری ہدایتیں بیان فرمادی ہیں، اب



بھی اگر تم نے اللہ کی اطاعت نہ کی یا اس کے رسولؐ کا کہا نہ مانا تو تمہارے ایمان کا دعویٰ تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ ایمان لانے کے بعد تو تمہاری زندگی کا کوئی پہلو بھی اللہ کے حکم اور رسولؐ کے طریقے کے خلاف نہ ہونا چاہیے۔ اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت تو تمہیں کرنا ہی چاہیے۔ کیونکہ تم ایمان لائے ہو، اور اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارے سارے اعمال ضائع ہوتے رہیں گے۔ اور تم آخرت کے اجر سے محروم رہو گے۔

### اللہ اور رسولؐ سے آگے نہ بڑھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْصِدُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (الحجرات: ۱)

”اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو

ہاؤ، اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا

ہے۔“

وہ شخص جس نے اللہ کو اپنا رب مانا ہو، اور اللہ کے رسولؐ کو اپنا ہادی و رہبر تسلیم کیا ہو، اگر اس کا یہ عقیدہ سچا ہے تو وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنی رائے اور اپنے خیال کو اللہ اور رسولؐ کے فیصلے سے بڑھ کر سمجھے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے معاملات میں خدا اور اس کے رسولؐ کی ہدایت سے رہنمائی حاصل نہ کر کے اپنے فیصلوں کے مطابق کام کرے۔ سچا مومن تو وہی ہے جسے یہ معلوم کرنے کی فکر رہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کیا ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا

ہے کہ ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے نہ بڑھو۔ یعنی تمہیں اپنے معاملات میں خود اپنی رائے اور اپنی پسند سے فیصلے نہ کر لینا چاہئیں۔ تم تو ہر معاملے میں یہ دیکھو کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت میں کیا ہدایات ملتی ہیں اور پھر جو ہدایت تمہیں ملے اس سے رہنمائی حاصل کرو۔ جو کچھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اسے کرو۔ خود پیش قدمی کر کے کچھ نہ بڑھالو۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے بڑھ جانا ہوگا جس سے تمہیں روکا جا رہا ہے۔

اس ہدایت پر وہی عمل کر سکتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، اس لیے تقویٰ دل میں پیدا کرو۔ یہ سمجھ لو کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ یعنی اگر کبھی تم نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے اور اپنی مرضی کو ان کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو، تمہارا سابقہ اس خدا سے ہے جو تمہاری سب باتیں سن رہا ہے اور جسے تمہاری نیتوں تک کی خبر ہے۔

**اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ  
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ  
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ٥ (الحجرات: ٢)

”اے ایمان لانے والو! اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر

ادب نہ کر د اور انہیں اس طرح نہ پکار دیجیے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے

ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو ۵

اس آیت میں رسول کا احترام کرنے کی ہدایت ہے۔ مومنوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی آوازیں نبی کی آواز سے نیچی رکھیں تاکہ انداز گفتگو سے یہ ظاہر ہو کہ وہ اللہ کے نبی سے مخاطب ہیں۔ نبی کی تو بہت ہی تعظیم کرنا چاہیے کیونکہ وہ تمہارا محسن ہے، دنیا اور آخرت سنبھالنے والا محسن اور پھر اس اللہ کا نبی جس پر تم ایمان لائے ہو۔ آواز نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ کی مجلس میں آئیں تو نہایت ادب و احترام سے بیٹھیں۔ زور سے چیخ کر اور بے ادبی کے ساتھ بات نہ کریں۔ سخت کلامی اور گستاخی سے پریش نہ آئیں، کسی شخص کی آواز آپ کی آواز سے بلند نہ ہو۔ اس بارے میں مشہور ہے کہ جب یہ حکم مسلمانوں کو دیا گیا تو ایک صحابی ثابت بن قیس گمر میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی آواز قدرتی طور پر بلند اور سخت تھی اس لیے وہ حضور کے سامنے ہی نہیں آئے۔ کئی دن ہو گئے تو حضور کو فکر ہوئی، ان کے گھر پہنچے اور حاضرہ ہونے کی وجہ پوچھی۔ ثابت نے کہنے لگے ”حضور! میں تو آپ سے بلند آواز سے باتیں کرتا رہا ہوں، کہیں میرے اعمال بھی ضائع نہ ہو گئے ہوں“ حضور نے فرمایا تمہارے اعمال ضائع نہیں ہوئے تم تو جنتی ہو، تم نے گستاخی اور بدتمیزی کے ساتھ کبھی گفتگو نہیں کی۔ آواز کی سختی تو تمہارے بس کی بات نہیں ہے، اور جس پر تمہارا بس نہیں اس کے بارے میں پوچھ کچھ نہ ہوگی ۵

یہاں حضور کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں آپ کا احترام ملحوظ رکھنے

اور آپ سے اونچی آواز میں بے ادبی کے ساتھ گفتگو نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اگرچہ یہ ادب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے لیے سکھایا گیا تھا اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے۔ مگر بعد کے لوگوں کو بھی چاہیے کہ جب کہیں حضورؐ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپ کا کوئی حکم سنایا جا رہا ہو یا آپ کی احادیث بیان کی جائیں تو وہ اسی ادب کو ملحوظ رکھیں، اور یوں بھی تہذیب و اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ بزرگوں کے سامنے اس طرح نہ بولنا چاہیے جس طرح آپس میں دوستوں اور عام آدمیوں کے سامنے بات چیت کی جاتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہاں یہ حکم دیا گیا کہ تم نبیؐ کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ نبیؐ کے ساتھ بات کرنا ہو تو عزت اور احترام کے الفاظ استعمال کرو۔ یہ تمام ہدایتیں ملنے کے باوجود اگر تم نے عمل نہ کیا تو اس بات کا ڈر ہے کہ تمہارا سب کیا و چرا کا رت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو سکے اور آخرت کے دن تم خالی ہاتھ رہ جاؤ۔ اس لیے تمام ہدایات کو غور سے سنو، ان پر عمل کرو اور آخرت کی فکر کرو۔

**رسولؐ سے علیحدگی میں بات کرنے سے پہلے صدقہ دو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْهِ  
نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَلَمَّا لَمْ تَجِدُوا  
فَرَأَى اللَّهُ عَفْوَ سَرَّحْنَاهُمْ (المجادلہ: ۱۲)

وہاں ایمان لانے والو! جب تم رسول اللہؐ سے علیحدگی میں کوئی بات کرو

تو ایسا کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو یہ تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ پھر اگر تم صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔“

یہ حکم اس وقت دیا گیا جب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ سرگوشیاں کرنے لگے تھے۔ اکثر ان کے پاس بیٹھے دیر تک چپکے چپکے باتیں کرتے رہتے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت وقت ضائع ہوتا اور انہیں بڑی پریشانی ہوتی، بہت سے لوگ بات چیت سے محروم رہ جاتے اور حضور کو بھی دیر تک تنہائی میں باتیں کرنے اور جواب دینے میں مشکل ہوتی، اسی لیے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ سرگوشیاں کرنے والوں میں کچھ کمی ہو۔ چنانچہ اس حکم میں جو مصلحت تھی وہ پوری ہو گئی اور بعض روایتوں کے مطابق بعد میں اس حکم کو ختم کر دیا گیا۔

اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ صدقہ بہترین اور پاکیزہ چیز ہے۔ یہ ایک بڑی نیکی ہے، نیکیوں سے برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔ صدقہ خطاؤں کا کفارہ بن جاتا ہے، غلطیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ پھر فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی صدقہ نہ دے سکے تو اللہ بخشے والا مہربان ہے۔ تم میں اگر کوئی ایسا نہ کر سکے تو اللہ نے معاف فرما دیا، پھر صدقہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کسی پر سختی نہیں کرتا، اسی لیے جو صدقہ نہ دے سکے اس کے لیے معافی کا اعلان ہے۔

WWW.KITABOSUNNAT.COM

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ کی خوشنودی کی خاطر جو اپنا پسندیدہ مال خرچ کرتا ہے  
تو اس سے ایمان میں پیدا ہوتی ہے۔  
روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔  
دل میں خدا کی محبت رچ بس جاتی ہے۔  
اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اس بات کا ثبوت ہے  
کہ دل میں سچائی اور خلوص ہے۔

## اللہ کی راہ میں خرچ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ  
يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ

(البقرة: ۲۵۴)

”اے ایمان لانے والو! جو کچھ مال متاع ہم نے تمہیں بخشا ہے  
اس میں سے خرچ کر دو قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی  
نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی اور ظالم اصل میں وہی ہیں جو کفر کی  
رُوش اغنیاء کرتے ہیں۔“

اس آیت سے پہلے جو بیان آیا ہے اس میں جہاد، اطاعتِ امر اور انفاق، یعنی  
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تفصیل اور بحث ہے۔ پہلی دونوں باتوں کو بیان کرنے  
کے بعد اب انفاق کا حکم آ رہا ہے۔ یعنی ایمان لانے والوں کو جہان کی قربانی کے  
بعد اب مال کی قربانی پر ابھار اہمارا ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا اور مومنوں میں ان کا شمار ہوا تو پھر اب  
جو حکم بھی انہیں دیا جائے اسے کرنے کے لیے انہیں تیار رہنا چاہیے یہاں  
مومنوں کے اسی دعوے کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ جب انہوں نے خدا، اس کے  
رسول اور اس کی کتاب کو سچ مان لیا اور ان چیزوں پر ان کا ایمان بختہ ہو گیا تو اب



وہ علی میدان میں آئیں اور کچھ کر کے دکھائیں۔ انسان کو اپنی جان اور مال سے بعد محبت ہوتی ہے لیکن ایمان لانے کے بعد اللہ کی محبت ان چیزوں پر غالب آ جاتا چاہیے۔ اور اللہ کی راہ میں ان چیزوں کے خرچ کر دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی چاہیے۔

اللہ کی راہ میں ہان و مال کی قربانی کا حکم دینے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہدایت لوگوں کے سامنے ہوتی ہے کچھ بھی وہ گمراہ ہو پایا کرتے ہیں۔ آپس کی دشمنی اور لڑائی جھگڑوں میں ایسے کھتے ہیں کہ دین کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اس حقیقت کو بیان کرنے کے فوراً بعد انفاق کا حکم دینے کا مطلب یہ بڑا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے گمراہی اور اختلاف سے نجات ملتی ہے۔ اسی لیے قرآن پاک میں اکثر جہیں ایسی آیتیں ملتی ہیں جہیں پڑھ کر پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے نفس پاکیزہ ہوتا ہے اور دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے مخاطب ہے۔ فرمایا ہم نے تمہیں جو کچھ بخشا ہے اس میں سے ایک حصہ اللہ کے راستے خرچ کر دو۔ مگر اس دن سے پہلے ہی نیکی کر لو جب نہ لین دین ہو گا، نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش ہی چلے گی۔ لین دین نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کا حق دینا ہو یا خدا کی خوشنودی کے لیے کچھ خرچ کر کے نجات یا مغفرت حاصل کرنا ہو تو بس دنیا تک اس کا موقع ہے۔ اس لیے اس موقع سے فائدہ اٹھا لو، اور قیامت کا دن آنے سے پہلے جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرنا ہے کر لو۔ وہ لوگ تو ظالم

ہیں جو کفر کی روش اختیار کر رہے ہیں۔ یہاں کفر کی روش اختیار کرنے والوں سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو خدا کے حکم کی اطاعت سے انکار کر دیں اور مال کی محبت کے مقابلے میں خدا کی خوشنودی کی بھی پروا نہ کریں۔ خدا کی رضا اور اس کے حکم سے زیادہ انہیں اپنا مال عزیز ہو، یا وہ لوگ جو اس دن پر اعتقاد ہی نہ رکھتے ہوں جس کے آنے کا یہاں خوف دلایا جا رہا ہے۔ یا پھر وہ لوگ جو اس خیال میں مگن ہیں کہ آخرت میں انہیں کسی نہ کسی طرح نجات مل ہی جائے گی، اور کسی کی دوستی اور سفارش سے ان کا کام نکل جائے گا۔ ایسا نہیں ہے، وہاں کسی کی دوستی اور سفارش کام نہ آئے گی۔ یہ لوگ تو ظالم ہیں، اور وہ اپنی آخرت کو بگاڑ کر خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

اس سے بعد کی آیتوں میں اسی بات کو واضح کر کے سمجھایا گیا ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ قیامت کے دن کسی کی سفارش اور دوستی کیوں کام نہیں آسکتی۔

### اپنے صدقات کو احسان جتنا کر ضائع نہ کر دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ۚ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانَ عَلَيْهِ ثَرَابٌ فَأَصَابَهُ رَاحِلَةٌ فَأُتْرِكَهُ صَلْدًا ۚ لَا يَقْدِرُ دُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ  
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥ (البقرہ: ۲۶۴)

» اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتنا کر اور دکھ دے

کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے، اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی نہ جمی ہوئی تھی اس پر جب زور کی بارش ہوئی تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے نزدیک غیرات کر کے جو نیکی کاتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا، اور کافروں کو سیدی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے۔

ابھی پہلی آیت میں آپ نے بڑھا تھا کہ مومن بندوں کو اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں کو اپنے جس فضل اور کرم سے نوازا ہے بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ اسے اس کی راہ میں خرچ کریں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے اس نیکی کے فوائد اور برکتیں بیان فرمائیں۔ اب یہاں یہ بتایا گیا کہ وہ کون سا جذبہ ہے جس کے ساتھ انفاق کرنے والے کو انفاق کرنا پہلے ہے اور جس کا اختیار کرنا اس کے لیے ضروری ہے اور جس کے بغیر یہ بڑی نیکی بھی ضائع ہو جاتی ہے، اور وہ برکتیں بھی نہیں ملتیں جن کو بیان فرمایا گیا۔

وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کریں اور خرچ کرنے کے بعد کسی پر احسان نہ رکھیں بلکہ جھک کر اور تواضع کے ساتھ اسے دیں تو پھر انہیں اپنے رب کے پاس اجر ملے گا۔ یہ فرما کر ساتھ ہی یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تو بے نیاز ہے، وہ تمہارے غیرات دینے کا کچھ محتاج نہیں ہے اس میں تو تمہارا ہی فائدہ ہے، تم ہی کو آخرت میں اجر ملے گا۔ وہ تو تم پر نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے اور

تمہاری ناشکر گزاریوں کے باوجود اپنے فضل اور کرم سے تمہیں محروم نہیں کرتا لیکن اسے یہ پسند نہیں ہے کہ تم بد اخلاقی سے سائلوں کو جھڑک دو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے تمہارا دل دکھے۔ غریبوں اور محتاجوں کو بھول جاؤ، اور اگر کسی غریب کو کبھی کچھ دے دو تو احسان جتنا جتا کر اور کچھ کے لگا لگا کر اس کی خود داری اور عزت کو خاک میں ملا دو۔ یہ بہت ہی ذلیل حرکت ہے۔ تم ایسا نہ کرو۔ یہ تو ان لوگوں کا کام ہے جو دوسروں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور جنہیں خدا پر اور آخرت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ تم تو ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو اس لیے تم ایسا نہ کرو۔

اللہ کی راہ میں صدقہ خیرات کرنا بہت اچھا کام ہے، بہت بڑی نیکی ہے۔ ہم سب اسے اچھا سمجھتے ہیں اور صرف اچھا ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس میں خوب آگے آگے رہتے ہیں لیکن ذرا سی کوتاہی اس نیک عمل کو ضائع کر سکتی ہے، اس لیے اس بارے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اگر آپ نے کسی کو کچھ دیا اور پھر آپ کے کسی بھی عمل سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ نے اُس پر احسان جتایا ہے تو وہ سب خاک میں مل جاتا ہے، ایسے دینے پر کوئی اجر نہیں ہے۔ سنیے اللہ تعالیٰ خود آپ سے مخاطب ہے، جو شخص اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے ایسا آدمی نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر۔ یعنی اس کی ریاکاری خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ایمان خدا اور آخرت پر نہیں ہے، لوگوں کو دکھانے کو وہ خرچ کرتا ہے۔ گویا لوگ ہی اس کے خدا ہیں جن سے وہ اجر چاہتا ہے۔ اللہ سے اجر ملنے کی اسے نہ توقع ہے اور نہ یقین ہے کہ ایک روز اُسے اعمال کا حساب دینا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صدقہ کر کے احسان جتنا اسی کا کام ہے جس نے اللہ کی راہ پر صدقہ نہ دیا ہو بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لیے دیا ہو، اور پھر ایسے خرچ کرنے والے کی مثال اللہ نے ایک چٹان سے دی ہے جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر بارش ہوئی تو مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان رہ گئی، حالانکہ بارش کا کام سرسبز کرنا اور نشوونما دینا ہے لیکن جب زمین پر بس برائے نام اوپر ہی اوپر مٹی ہو اور نیچے پتھر کی چٹان ہو تو بارش کچھ فائدہ نہیں دیتی بلکہ اور نقصان ہی ہوتا ہے۔ اب مثال اچھی طرح سمجھیں آسکتی ہے۔ یہاں بارش سے مراد خیرات ہے، چٹان سے مراد اس نیت اور جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات کی گئی ہے۔ مٹی کی تہہ سے مراد نیکی کی وہ ظاہری شکل ہے جس کے نیچے نیت کی خرابی چھپی ہوئی ہے۔ اب یہ بات واضح ہو گئی کہ جس طرح بارش اگرچہ فائدے کی چیز ہے لیکن پتھر کی چٹان پر کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں اور نیکیوں کو نشوونما دیتی ہے لیکن یہ نفع اسی وقت تک دے گی جب نیت بھی نیک ہو، نیت نیک نہیں ہے تو خیرات بس مال کو منافع کرنے والی ہے اور کچھ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے ریاکاروں کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ ایسی خیرات کرنے والا چاہے فیاضی اور سخاوت کے دریا بہا دے، مدرسے، یتیم خانے اور مسافر خانے کھلوا دے اور اسی طرح ہر طریقے پر اپنی فیاضی کی شان دکھائے اور وہ خود اپنے دل میں اپنی سخاوتوں پر خوش ہوتا رہے، اور دنیا بھی اس کی تعریف کرتی رہے لیکن پھر بھی یہ سخاوتیں کچھ بھی نہیں۔ آخرت کے لحاظ سے ان کا کوئی مقام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا ہے کہ ان طریقوں سے اپنے صدقات کو بے کار نہ کر دو۔

لیجیے سب کچھ خرچ بھی کیا، فیاضی اور سخاوت میں ایک سے ایک زیادہ بڑھ کر حصہ لیا پھر بھی پلے کچھ نہیں پڑا۔ خدا سے قریب ہونے کے بجائے اور دُور ہو گئے دل میں ایمانی نور پیدا ہونا تو دُور کی بات، رہا سہا سہذا بہ خیر بھی فنا ہو گیا۔ کسی طرح کا کوئی فائدہ پہنچنا تو الگ رہا، یہ خیراتیں تو الٹا برائیوں میں شامل ہو گئیں، اور نامہ اعمال کی سیاہی کا سبب بن گئیں۔

سچ ہے یہ دنیا کار لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا، اور آئے بھی کیسے جب وہ اپنے ان عطیات کو زکوٰۃ و صدقات سمجھ رہے تھے جو دنیا کی شہرت کا ذریعہ تھے، یا پھر وہ اللہ سے اور آخرت کے ملنے والے اجر سے غافل ہو کر لوگوں پر احسان مبتا رہے تھے تو پھر آخرت میں ان کا اجر اور ان کا صلہ کیوں ملے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ طریقہ کافروں کا ہے، اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ کا دستور نہیں ہے، سیدھی راہ اسے ہی ملتی ہے جو ایمان اور ہدایت کی روشنی حاصل کرتا ہے۔

**اللہ کی راہ میں اپنے مال کا بہتر حصہ خرچ کرو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْغَبِيبَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنِصُوا فِيهِ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

(البقرہ: ۲۶۷)

”اے ایمان لانے والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ تم نے

زمین سے تمہارے لیے نکالا ہے اس میں بہتر حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔  
ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لیے بری سے بری چیز چھانٹنے کی  
کوشش کرنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا  
گوارا نہ کرو گے (الایہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم چشم پوشی برت جاؤ)  
تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ بے نیاز ہے اور بہترین صفات والا ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ وہی لوگ ایمان میں پختہ  
ہیں جو آج اس لیے صدقے اور خیرات کر رہے ہیں کہ انہیں کل آخرت میں اللہ  
کی رضا اور اس سے اجر حاصل کرنا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ صدقات سے ان  
کے ایمان میں بڑھاپا ہوگی۔ ایمان اور پختہ ہوگا اور وہ خدا سے قریب ہوں گے۔  
اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ مال و دولت سے محبت انسان کو ہوتی ہے یہی  
دولت کی زیادتی اسے خدا سے غافل بنا دیتی ہے اور دولت ہی انہیں ایمان  
کے تقاضے بھی پورے کرنے نہیں دیتی۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت  
سے لوگ ایسے ہیں جو دوسرے کی ضرورت پوری کرنا تو درکنار، اور ان سے  
زبردستی وصول کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور پھر جتنی دولت بڑھتی ہے اتنی ہی ہوس  
بھی بڑھتی ہے۔ صدقات اور خیرات سے مال کی محبت کم ہوتی ہے، خدا سے تعلق  
مضبوط ہوتا ہے اور دل میں تقویٰ اور رحم پیدا ہوتا ہے۔

صدقات اور خیرات کی طرف رغبت دلانے اور نام و نمود کی خواہش سے  
بچنے، مانگنے والے کا دل نہ دکھانے اور اس پر احسان نہ جتانے کی ہدایت کے  
لہذا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح کی چیزیں صدقات میں دینا چاہئیں۔ فرمایا

اے ایمان لانے والو! جو پاک کمائیاں تم نے کمائی ہوں یا جو کچھ تمہارے لیے ہم نے زمین سے پیدا کیا ہو اُس میں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں خیرات کرو مطلب یہ کہ تمہارے پاس زندگی کے جتنے سامان ہیں ان سب میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے چاہے وہ تمہاری اپنی کمائی ہو یا زمین سے نکلی ہوئی چیزیں ہوں جیسے غلہ، پھل، ترکاریاں، دھنیں اور کانیں وغیرہ، ان سب میں سے جو کچھ تمہیں ملے تمہیں چاہیے کہ اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرو۔

اس حکم کے ساتھ ہی یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ جب تم خیرات کرو تو اللہ کی راہ میں دینے کے لیے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا صدقہ اور خیرات اللہ کے نزدیک ہرگز پسندیدہ نہیں ہے کہ جب خدا کی راہ میں دینے کا کوئی موقع ہو تو دل سے کچھ نہ کھلے اور اگر کچھ دیا بھی جائے تو بُری سے بُری چیز چھانٹ کر۔ ایسا ہم اکثر دیکھتے ہیں، کوئی کپڑا جو بالکل ہی ناکارہ ہو گیا یا اپنے دل سے اتر گیا تو اسے خدا کی راہ میں دے دیا جاتا ہے۔ ایسی خستہ حال اور بے کار چیز کسی کے کام بھی نہیں آسکتی۔ اور خدا کے یہاں اس کا اجر بھی نہیں مل سکتا۔ یہ کیسی خراب بات ہوگی کہ اللہ کی دی ہوئی ایک ایک نعمت سے فائدہ اٹھایا جائے لیکن جب اسی کی راہ میں کچھ دینا ہو تو ایسی چیز دی جائے جو خود اپنے کو بھی پسند نہ ہو۔ یہ خدا پرستی نہیں کہ ایسی نکمٹی چیز کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش کیا جائے۔ زکوٰۃ اور صدقات دینے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ دل سے دولت کی محبت کم ہو، دولت کی بندگی سے دل آزاد ہو جائے اور اپنی پسندیدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دے کر اس بات



کا ثبوت پیش کیا جائے کہ ہماری ہر چیز خدا کی خوشنودی پر قربان ہے۔ نکتی اور  
 مٹری گلی چیزیں دے کر کوئی اپنے سر سے خیرات کا ٹھنڈا تو اتار دے گا لیکن  
 وہ برکتیں اور خدا کی خوشنودی اسے حاصل نہ ہو سکے گی، جو زکوٰۃ کا مقصد ہے۔  
 پھر فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں جان لینا چاہیے کہ اللہ کی ذات تو بے نیاز ہے  
 اور وہ بہترین صفات والا ہے۔ یعنی کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی بے پناہ  
 عطا اور بخشش کا اعتراف کر رہا ہے، اور ہر چیز اس کے فضل اور کرم کی تعریف  
 کر رہی ہے۔ اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اس کی راہ میں کچھ دے کر  
 شکر ادا کرو اور اس کی خوشنودی حاصل کرو۔ کائنات کی ایک ایک چیز اس کا  
 شکر ادا کرنے میں لگی ہے۔ تمہاری عبادتوں اور تمہارے شکرانے کی اسے کوئی  
 ضرورت نہیں۔ تمہیں جو یہ حکم دیا جا رہا ہے تو وہ صرف اس لیے کہ تم اپنی دولت  
 کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے اس کی بندگی کرو، اس کی فرمانبرداری اور شکر گزاری بجا  
 لاؤ اور نعمتوں کا اعتراف کرو۔ اور یہ بات اس کے لیے نہیں بلکہ تمہارے ہی لیے  
 فلاح اور کامیابی کا سبب بنے گی۔ وہ تو تمہیں آخرت کی سزا سے بچانا چاہتا ہے،  
 اس لیے ہدایت کی راہیں وہ تمہیں دکھا رہا ہے۔ تم اگر اپنی آخرت اور اپنے انجام کو  
 بہتر بنانا چاہتے ہو تو اس پر عمل کرو ورنہ وہ بے نیاز ہے۔

# صبر و استقامت

صبر ایک اخلاقی خوبی ہے۔  
 صبر کرنے والوں پر خدا کا فضل ہوتا ہے۔  
 اور اس کی رحمت انہیں سہارا دیتی ہے۔  
 جذبات و خواہشات پر قابو رکھنے کا نام صبر ہے۔  
 سخت حالات میں بھی حق پر جمے رہنے اور اپنے اصولوں پر قائم رہنے کا نام صبر ہے۔  
 راہ حق کی مشکلات کو ہنستے کھیلتے برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔  
 اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔  
 وہ صبر ہی کرنے والوں کو پسند بھی کرتا ہے۔

## صبر اور نماز سے مدد لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ  
مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (البقرہ: ۱۵۳)

”اے ایمان لانے والو! صبر اور نماز سے مدد لو اللہ صبر کرنے والوں

کے ساتھ ہے۔“

اس سے پہلے کی آیتوں میں مسلمانوں سے خطاب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم نے میرے احکام کی پیروی کی، رسولؐ کی تعلیم کو سمجھا تو میں تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کروں گا۔ اس نعمت سے مراد امامت اور پیشوائی کی نعمت ہے۔ یعنی جو لوگ سچے مومنوں کی صفات اپنائیں گے اور خدا اور اس کے رسولؐ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں گے وہی اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جنہیں اللہ اس زمین پر خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ اور انہی لوگوں کو آخرت میں بہترین انعام ملنے والا ہے، وہی فلاح پائیں گے اور وہی کامیاب بھی ہوں گے۔ لیکن علم و عمل کی یہ راہ آسان نہیں ہے وہ سچے مومن جو اپنی زندگی کے سارے معاملات میں خدا کی خوشنودی سامنے رکھتے ہیں، انہیں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اب اللہ تعالیٰ مومنوں کو پھر بچاتا ہے۔ فرمایا تم صبر اور نماز سے مدد لو۔ جیل نعام کا وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ آسانی سے نہیں مل جاتا ہے۔ یہ تو ایک بڑی خدمت کا

انعام ہے، یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے، وہیں اور مذہب پر چلنا آسان کام نہیں، اس کا بار اٹھاتے ہی تم پر ہر قسم کی مصیبتیں آئیں گی، سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، نقصانات بھی اٹھانے پڑیں گے۔ لیکن اگر تم صبر و استقامت اور عزم و استقلال کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں بڑھتے چلے گئے تب تم پر عنایات کی بارش ہوگی اور تم اس انعام کے مستحق ہو گے جس کا وعدہ تم سے کیا گیا ہے۔

اس اہم ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہے وہ تمہیں دو چیزوں سے مل سکتی ہے۔ ایک یہ کہ صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرو۔ صبر کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ راہ خدا میں پیش آنے والی تمام مشکلات کو بہتے کیلئے برداشت کر لینا اور اپنی راہ پر ثابت قدم رہنے کا نام ہی صبر ہے۔ حقیقت میں صبر اہم ترین اخلاقی صفت ہے۔ دراصل کامیابی کا راز ہی صبر ہے، اس کے بغیر کوئی کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نماز بھی مسلمانوں کی ایک جہتی اور ان کے اندر اتحاد کی صفت پیدا کرنے میں ایک کامیاب عمل ہے۔ بندگی کی راہ میں جو مشکلات پیش آتی ہیں نماز سے ہی ان کا علاج ممکن ہے، نماز کی پابندی سے اپنے آپ کو مضبوط کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مومن اپنے اندر صبر کی صفت پیدا کر لے تو اسے قدم قدم پر اللہ کی مدد سہارا دیتی ہے اور جب اللہ صابر دین یعنی راہ حق میں ڈٹے رہنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے تو پھر اسے کسی بھی تنہائی، بے سروسامانی، ناتوانی، مصیبتوں اور مشکلوں کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

## صبر سے کام لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ  
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آل عمران: ۲۰۰)

» اے ایمان لانے والو! صبر سے کام لو اور کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو، حق کی خدمت کے لیے تیار رہو، اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی ملے ۛ

یہاں مومنوں کو چار باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلی بات کا مطلب یہ ہے کہ تم جس دین کو قبول کر کے مسلمان ہوئے ہو اس پر قائم رہو۔ اب اس راستے میں چاہے جتنی تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئیں انہیں ہمت کے ساتھ برداشت کرتے رہو۔ یہ جو تم نے خدا کی خوشنودی کا راستہ اختیار کیا ہے بہت سخت ہے۔ یہاں تمہیں اپنے نفس کو بھی مارنا ہوگا، رسم و رواج کو بھی توڑنا ہوگا، اور کبھی بہت سی مشکلات اور پریشانیاں تمہیں گھیریں گی، لیکن اس موقع پر تمہارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم ثابت قدم رہو، یہاں کی ملنے والی پریشانیوں کا خیال نہ کر کے آخرت کے اجر پر نظر رکھو۔

دوسری بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر اہل باطل سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو تم ان کے مقابلے میں صبر کرو اور ان سے بڑھ کر جرأت اور بہادری دکھاؤ۔ ان کی طرف سے دی ہوئی تکلیفوں کا خیال نہ کرو۔ تیسری بات یہ کہ حق کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہو جس وقت بھی تمہیں حق کی خدمت کے لیے پکارا جائے تو

تم جان نہ چھاؤ۔ اپنی جان اور مال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے اس کی راہ میں قربانی دینے کے لیے تیار رہو، کافر پر مضبوط ہیں اور اسے سر بلند کرنے میں زحمتیں اٹھا رہے ہیں لیکن تم اپنے دین اور حق پر ایسے جم جاؤ اور اس کو قائم کرنے میں ایسے مستعد ہو جاؤ کہ ان کی کوششیں ماند پڑ جائیں۔ تم ان کے مقابلے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر بہادری دکھاؤ۔ سچ تو یہ ہے کہ تمہارے ایمان کا دعویٰ اسی وقت پورا ہوگا جب تم ان سب ہدایتوں پر عمل کر دو گے اور تمہیں کامیابی اسی وقت مل سکتی ہے جب تمہارے دل میں تقویٰ ہو اور تمہارے دل میں اللہ کا خوف موجود ہو، اس کے سامنے جواب دہی کا یقین ہو۔

### دشمن کے مقابلے کے لیے تیار رہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ  
أَوْ أَفِئْرًا وَاجْمِيعًا (النساء: ۷۱)

”اے ایمان لانے والو! دشمن کے مقابلے کے لیے ہر وقت

تیار رہو پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔“

یہ آیت ان دنوں نازل ہوئی جب اُحد کی شکست کی وجہ سے آس پاس کے قبیلوں کی ہمتیں بڑھ گئی تھیں اور مسلمان ہر طرف سے خطرہ میں گھرے ہوئے تھے۔ آئے دن یہ خبریں آتی رہتی تھیں کہ آج فلاں قبیلہ لڑنے کو تیار ہے، اور آج فلاں قبیلہ دشمنی پر آمادہ ہے۔ مسلمان بڑی پریشانی میں تھے۔ ان کے ساتھ دشمن غداریاں کر رہے تھے۔ انہیں دھوکہ دے کر یہ لوگ بلاتے اور قتل کر دیتے۔

مدینہ سے باہر نکلتے یہ لوگ ڈرتے تھے۔ ان کی جان اور مال کچھ بھی محفوظ نہ تھا۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو ہمت، کوشش اور مقابلے پر ابھارا جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہمت ان الفاظ سے بڑھائی ہے۔

اے مومنو! تم مقابلے کے لیے تیار رہو، اور پھر جب دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع آجائے تو جیسے بھی مناسب ہو الگ الگ دستوں میں یا اکٹھے ہو کر ان سے مقابلہ کرو۔

یہاں یہ ہدایت ملتی ہے کہ مسلمانوں کو مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اگر ان کے خلاف دشمن سر اٹھا رہا ہو تو انہیں بھی دینا نہ چاہیے اگر ان کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو رہی ہو تو مل کر یا الگ الگ جیسے بھی ہو دشمن کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔

## دوست دشمن میں تمیز کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا  
وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ  
عَرَضَ الْحَيَوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ  
مِّن قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ  
خَبِيرًا (النسار: ۹۴)

”اے ایمان لانے والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہیں سلام میں پہل کرے اسے فوراً نہ کہہ



دو کہ تو موسیٰ نہیں ہے۔ اگر تم دُنویٰ فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارا لیے بہت سے اموال غنیمت ہیں، آخر اس حال میں تم خود بھی تو پہلے مبتلا رہ چکے ہو پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، اس لیے تحقیق سے کام لو۔ جو کچھ تم کہتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

اسلام کی ابتدا میں ”السلام علیکم“ کا لفظ مسلمانوں کے شعار اور علامت کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دیکھ کر یہ لفظ اس معنی میں استعمال کرتا تھا کہ میں تمہارے گروہ کا آدمی ہوں اور تمہارا دوست اور خیر خواہ ہوں۔ تمہاری سلامتی اور عافیت چاہتا ہوں، اس لیے تم مجھ سے دشمنی نہ کرو اور نہ میری طرف سے کسی نقصان اور دشمنی کا اندیشہ رکھو۔

اب ایک الجھن یہ پیش آتی تھی کہ مسلمان جب کسی گروہ پر حملہ کرتے تو کوئی شخص مغلوب ہو جانے پر ”السلام علیکم“ کہتا۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم مجھے دشمن سمجھ کر ہلاک نہ کرو۔ میں تو تمہارے ہی گروہ کا آدمی ہوں مسلمانوں کو یہ پریشانی ہوتی کہ وہ کیا کریں، وہ یہ شبہ کرتے کہ یہ کوئی کافر ہے اور اپنی جان بچانے کا یہ بہانہ کر رہا ہے۔ اس لیے اکثر ایسا ہوتا کہ وہ اسے مار ڈالتے وہ مسلمان بھی ہوتا تو شبہ میں مار ڈالا جاتا، اور اس کا مال اسباب غنیمت کے طور پر لوٹ لیا جاتا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ہدایت نازل فرمائی۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو مسلمان بتا رہا ہے اس کے متعلق بغیر سوچے سمجھے یہ فیصلہ نہ کرو کہ یہ جان بچانے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے، ہو سکتا ہے وہ سچا ہو یا پھر جھوٹا ہو، یہ بات تو تحقیق سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ بغیر کسی

تحقیق کسی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اگر کوئی کافر جھوٹ بول کر بیچ گیا تو یہ اتنی بڑی غلطی نہیں ہے جتنی یہ کہ تم ایک مومن کو قتل کر دینے کی غلطی کرو۔ اس لیے اس بارے میں احتیاط رکھو۔ پھر فرمایا کہ اگر تم اس کا مال لینے کی فکر میں بغیر تحقیق ایسا کرتے ہو تو کیا تمہیں مرنے کا فائدہ چاہیے؟ تمہارے لیے تو اللہ کے پاس بہت سے اموالِ غنیمت ہیں، دنیا کی چیزوں پر نظر نہ رکھو، یہ سب چیزیں تمہیں آخرت میں ملیں گی اور ایسا وقت تو تم پر بھی گزر چکا ہے کہ تم مسلمان ہو کر بھی کچھ نہ کر سکتے تھے۔ تمہارے پاس ایمان کے زبانی اقرار کے سوا کچھ نہ تھا کیونکہ تم اپنے قبیلے میں تنہا تھے، اس کے ظلم و ستم میں گھرے ہوئے تھے۔ اب یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اجتماعی زندگی عطا کی اور تم کافروں کے مقابلے میں اسلام کا جھنڈا بلند کر رہے ہو، اس احسان کا شکریہ تو یہی کہ ابھی جو مسلمان تمہاری پہلی جیسی حالت میں مبتلا رہیں ان کے ساتھ نرمی اور ہمدردی کرو اور جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر اور تحقیق کر کے کرو، اس بات کا دھیان ہر وقت رکھو کہ اللہ تمہیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ یہ یقین تمہیں بھلائی کے کاموں کی طرف ابھارے گا اور تم برائی سے بچے رہو گے۔

**پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُتِلْتُمُ الدِّينَ كَفَرُوا زَانِحًا فَلَا  
تَوَلَّوْاهُمْ أَلَا ذُبَارَةٌ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَةٌ إِلَّا مَن تَحَرَّفًا  
لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَاوَاهُ  
جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (الأنفال: ۱۵، ۱۶)

”اے ایمان لانے والو! جب ایک لشکر کی صورت میں تمہاری  
کافروں سے ٹکریٹ ہو تو ان کے مقابلے میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے  
موقع پر پیٹھ پھیری، ہاں اگر وہ کوئی جنگی حال چل رہا ہو یا کسی دوسری فوج  
سے ملنا چاہ رہا ہو (تو بات دوسری ہے) ورنہ وہ اللہ کے غضب میں  
گھر جائے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا جو بہت بڑی لوٹنے کی جگہ ہے۔“

اس سے پہلے کی آیتوں میں جو بیان ہے اس میں بدر کی لڑائی اور مسلمانوں کی حیات  
کے اسباب پر تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ دراصل ہمارا درجیت و دونوں  
اللہ کے ہاتھ میں اور یہ اللہ کا فضل تھا کہ مسلمان باوجود تعداد میں انتہائی کم ہونے  
کے اور باوجود بے سرد سامان ہونے کے اس لڑائی میں جیت گئے، مسلمانوں کے  
دل کا اطمینان کافروں پر ان کا رعب، فرشتوں کی امداد اور عین وقت پر بارش کا ہو  
جانا یہ سب ایسی صورتیں تھیں جن سے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد بالکل ظاہر تھی۔

ان آیات میں پورے زور کے ساتھ مسلمانوں کے اس ایمان کو بھی تازہ کیا  
گیا تھا کہ انہیں صرف اللہ کی ذات اور اس کے فضل پر بھروسہ ہونا چاہیے۔  
ظاہری اسباب پر بھروسہ کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ لیکن اللہ کی امداد کا یقین  
اور اس کے فضل پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اب مسلمانوں  
کو کچھ کرتے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ مسلمان کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ ایک  
طرف تو بھروسہ صرف اللہ پر کرتا ہے لیکن دوسری طرف وہ اسباب کی طرف  
سے قطعاً بے پروائی نہیں کرتا۔ وہ جو کچھ کر سکتا ہے پوری مستعدی کے ساتھ  
کرتا رہتا ہے۔ اسباب فراہم کرتا ہے، ظاہری تدبیریں کرتا ہے، اللہ کی دی ہوئی

طاقت اور عقل کو کام میں لاتا ہے۔ اور پھر سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس لیے اب ان آیات میں یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ جب حق اور باطل کی مڈبھیڑ ہو، جب برائیاں نیکیوں کے مقابلے میں منظم ہو کر میدان میں اتر آئیں اور جب اللہ کے باغی اللہ کے دُعا داروں کے لیے حق کی راہ پر چلنا اور دوسروں کو حق کی روشنی دکھانا دو بھر کر دیں تو پھر اس وقت مسلمان کا کام یہی ہے کہ وہ مقابلے کے لیے پوری طرح ڈٹ جائے اور کسی چیز میں ہاں تک کہ اپنی جان تک کی پروا کیے بغیر میدان میں جا رہے۔ میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا بھی اسلام میں بدترین گناہ ہے۔ میدان جنگ سے ہٹنے کی صرف ایک ہی صورت کو جائز بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی بڑے جنگی مقصد کی خاطر یا کسی اور فوج سے ہٹنے کے لیے ایسا کیا جائے بزدلی کی بنیاد پر یا جان کے خوف سے میدان چھوڑ کر بھاگنے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کو وہ مقصد جس کے لیے جہاد کیا جا رہا ہے اپنی جان سے زیادہ پیارا نہیں ہے۔ چونکہ اسلامی جہاد صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی دونوں چیزوں کے مقابلے میں اپنی جان بچا کر میدان سے بھاگ بھی سکتا ہے۔

لڑائی میدان جنگ میں بھی ہوتی ہے اور اس کی ایک شکل یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ اسلام کے احکام پر چلنے سے روک رہے ہوں، اللہ کی اطاعت کرنے میں حائل ہو رہے ہوں اور اسلامی اخلاق اور اعمال کو پھینکنے کا موقع نہ مل رہا ہو۔ خدائی قانون کی جگہ زبردستی شیطان کا قانون رائج کیا جا رہا ہو تو یہ بھی عقائد و اعمال کی ایک جنگ ہے اس موقع پر بھی مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی کی مخالفت کی پروا کیے بغیر اپنے مقام پر ڈٹے

رہیں۔ دین کو سر بلند کرنے کی کوششوں میں لگے رہیں، ایسا نہ ہو کہ کسی دباؤ، خوف یا لالچ سے وہ اپنے دین کی باتوں اور اُس کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیں، اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہی اُن کی ناکامی ہوگی اور یہ بھی اتنی ہی بڑی تباہی کا موجب ہوگی جتنی بڑی میدانِ جنگ سے ہٹا گئے پر ہو سکتی ہے اس کے نتیجے میں خدا کا غضب انہیں گھیر سکتا ہے، اور جسے خدا کا غضب گھیر لے اس کا کہاں ٹھکانا۔

### ثابت قدم رہو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ  
كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (الانفال: ۴۵)

”اے ایمان لانے والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم

رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو امید ہے تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔“

اگرچہ اللہ کے دین کو بلند کرنے کے کام کی ابتدا دعوت و تبلیغ سے ہی ہوتی ہے۔ مومن پوری قوت صرف کر دیتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین کی باتیں سمجھا دے اور انہیں کامیابی اور بھلائی کے اس راستے پر لے آئے جس میں ان کی دنیا و آخرت کا فائدہ ہے۔ لیکن یہ کام ہمیشہ دعوت و تبلیغ پر ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ دعوت و تبلیغ سے تو وہ لوگ مان لیتے ہیں جو خود غرض نہیں ہوتے، تنگ نظر نہیں ہوتے اور مال و دولت کی محبت میں اتنا گرفتار نہیں ہوتے کہ اپنے ذہنی ظلمے کے مقابلے میں وہ کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہ ہوں۔ لیکن چونکہ سب لوگ ایسے نہیں ہوتے اس لیے اسلامی دعوت کو کچھ لوگوں کی شرارتوں اور

مخالفوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے اور ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ یہ مخالفت اور شریر لوگ یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اللہ کے دین کو نہ خود قبول کریں گے اور نہ اس تحریک کو بڑھنے دیں گے۔ وہ پوری قوت سے تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں اترتے ہیں، اس وقت مومن کی تلوار بھی نیام میں نہیں رہتی، وہ بھی مقابلے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ بھی یہ فیصلہ کر لیتا ہے کہ اس فتنے کو ختم ہی کر دیا جائے۔

یہی موقع ہوتا ہے جب جنگ کی باقی ہے۔ اسی کے بارے میں یہ ہدایت ہے کہ جب اسلامی جنگ کا وقت آجائے اور اللہ کے باغیوں سے مقابلہ آن پڑے تو مومنوں کو چاہیے کہ ثابت قدم رہیں۔ لڑائی سے بھاگ کھڑے ہونے کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جان بچالی جائے۔ اور جان بچالینے کا یہ خیال ایمان کے دعوے کے خلاف ہے۔ جب یہ یقین پختہ ہو کہ جان اور مال سب اللہ کا دیا ہوا ہے اور خدا کے حضور حاضر ہو کر سب کاموں کا حساب بھی دینا ہے۔ پھر تو یہ جرأت ہی نہیں ہو سکتی کہ جان بچانے کے لیے میدان چھوڑ دے۔ اسی اللہ کی دی ہوئی جان اور اسی کے راستے میں لگا دینے کے بدلے بچالنے کی کوشش کرنے کی ہمت کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جان بچا کر کوئی کچ بھی کیسے سکتا ہے جب کہ یہ یقین ہے کہ مارنا اور جٹانا اسی کے ہاتھ ہے، اس کے حکم کے بغیر موت نہیں آ سکتی اور جب اس کا حکم آجائے تو ٹل نہیں سکتی۔

مومن کو یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ اگر اللہ کی خوشی کے لیے اور اس کا دین قائم کرتے ہوئے موت آگئی تو یہ بہترین موت ہے۔ اللہ کی دی ہوئی جان اگر اللہ کے کام میں لگ جائے تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس ایمان اور یقین کے بعد میدان جنگ

سے بھاگنا مومن کے لیے جائز نہیں اس طرح بھاگنے والے کو سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ جان کا خطرہ سامنے ہے اور گولیوں کی بوچھاڑ اور تلواروں کے سائے میں ثابت قدم رہنے کی ہدایت دی جا رہی ہے۔ یہ آسان کام نہیں ہے۔ ایسے مشکل کام کو پورا کرنے کے لیے کوئی تدبیر ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے وہ تدبیر بھی ساتھ ہی بیان فرمادی۔ فرمایا اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ اللہ کی یاد مومن کی سب سے بڑی قوت ہے۔ یہی قوت اسے ہر حال میں ثابت قدم رکھتی ہے۔ ہر حال میں کامیابی بھی اسی سے نصیب ہوتی ہے۔ جنگ میں وہی چیزوں سے انسان کامیاب ہو سکتا ہے، قدم کا جھاؤ اور دل کی مضبوطی۔ قدم کا جھاؤ اس وقت ہوگا جب ایمان پختہ ہوگا اور دل اللہ کی یاد سے مضبوط ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ سے مدد طلب کرتے ہیں، اُسے یاد کرتے ہیں، خدا بھی ان کی مدد کرتا ہے۔ اللہ کے ذکر کی سب سے زیادہ صحیح صورت یہ ہے کہ انسان کسی حال میں بھی خدا کو نہ بھولے۔ اُس کی آقائی اور بندگی کا ہر وقت دھیان رہے، اور یہ بات نماز کی پابندی سے ہوتی ہے، اور قرآن پاک کی تلاوت، ایسی تلاوت جس سے اللہ کا کلام سمجھ کر پڑھا جائے اور عمل کیا جائے۔ یہ بات بھی اللہ کو یاد کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔

### رکوع اور سجدہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ  
وَفَعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۝  
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِثْلَ

أَيُّكُمْ إِيَّاهِمْ هُوَ سَمُّكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۚ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا  
لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُ شَهَادَةُ آلِهِ عَلَى النَّاسِ ۚ  
فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ  
فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الحج: ۷۸، ۷۹)

”اے ایمان لانے والو! رکوع اور سجدہ کرو۔ اپنے رب کی بندگی  
کرد اور نیک کام کرو شاید کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد  
کرد جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لیے جن  
لیا ہے۔ اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ  
ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور اس  
(قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر  
گواہ۔ پس غار قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا  
مولیٰ۔ بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔“

فلاح اور کامیابی کی توقع اسی انسان سے کی جاسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی  
عبادت اور بندگی کرے اور نیک کام کرے۔ لیکن ایسے انسان کو اپنی تمام تر  
عبادات کے بعد بھی اللہ کے فضل کا امیدوار ہی رہنا چاہیے اور اللہ کی رحمت سے  
ہی توقع وابستہ کرنا چاہیے کیونکہ انسان اپنے آپ فلاح حاصل نہیں کر سکتا جب  
اللہ کسی کو کامیابی بخشتا ہے اسی وقت اُسے کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ انسان کا  
کام تو یہ ہے کہ وہ اپنی عبادات اور نیک کاموں میں کمی نہ آنے دے، اللہ کی ہدایت  
پر عمل کرتا رہے، پھر امید لگائے اپنے رب سے کہ وہ اُسے اپنے فضل سے فلاح



سے نوازے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے یہاں جہاد سے مراد صرف جنگ کرنا نہیں، بلکہ یہاں مطلب یہ ہے کہ بدو جہاد اور کوششیں جاری رکھو۔ وہ طاقتیں جو اسلام کو پھولنے پھلنے نہیں دیتیں، اور جو اللہ کے راستے میں بڑھنے والوں کی راہ کار روڑا بنی ہوئی ہیں ان کے خلاف اپنی پوری کوشش صرف کر دو اور ان کا خاتمہ کرنے کی جدوجہد کرتے رہو تاکہ انہیں شکست دے کر تم خود بھی اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کر سکو، اور دنیا میں بھی اس کا کلمہ بلند ہو سکے۔

وہ جہاد جو میدان جنگ میں کیا جاتا ہے اس سے پہلے تو ضروری یہ ہے کہ باغی اور مخالفت قوتوں کو ختم کیا جائے اور ان سے جہاد کیا جائے، اس کے بعد ہی باہر کسی مجاہدے کا امکان ہے۔ اسلام دشمن لوگوں کا منہ ٹوڑ جواب دینے، دین کی راہ میں مانع ہونے والی قوتوں کا سرکچلنے اور اللہ کا کلمہ اور اس کے دین کو سر بلند کرنے کی ذمہ داری مسلمانوں پر ہے۔ اور اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں چُن لیا ہے۔ تمام بنی نوع انسانی میں سے یہی لوگ اس خدمت کے لیے منتخب کیے گئے ہیں، اور ان لوگوں پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی گئی ہے۔ بے باقیہ و اور پابندیوں سے اُن کی زندگی آزاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی ان کا نام ”مسلم“ رکھا تھا اور آج بھی انہیں مسلم ہی کہا جاتا ہے۔ مسلم ہر وہ شخص ہے جو خدا کے دین کو تسلیم بھی کر لے اور پھر اپنی پوری زندگی خدا کی اطاعت میں دے دے۔ اخلاق و کردار، معاملات، اعمال، افکار غرض پوری زندگی اسی قانون اور انہی احکام کے تحت آجائے جو خدا نے نازل فرمائے ہیں۔ اس مفہوم کے لحاظ سے اب سے پہلے ان سب

لوگوں کا نام بھی مسلم ہی تھا جو کسی بھی نبی پر ایمان لائے اور جنہوں نے کسی بھی خدائی دین کو مان کر اس کی پیروی کی۔ لیکن اس آخری امت کو ”امت مسلمہ“ کا خطاب دینے اور بہترین امت قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں وہ صفت خاص طور سے پائی جاتی ہے جس کا مفہوم اسلام سے نکلتا ہے اس لیے یہی لوگ اس دین کے حامل ہیں اور اس خطاب کے مستحق ہیں۔ یہ امت حضرت ابراہیمؑ کی پیروی سے ہے۔ اسی کے لیے تو حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی تعمیر کے وقت زندگی کے آخری لمحات میں والہانہ انداز میں دُعا مانگی تھی۔

”پروردگار! مجھے اور اسمعیلؑ کو اپنا مسلم اور فرمانبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری مسلم اور فرمانبردار ہو۔“  
یہ آواز بھی ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔

”ہمارے پروردگار! اسی قوم میں سے ایک ایسا رسول اٹھا جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے، انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیوں کو پاکیزگی بخشنے۔“

خدا نے اپنے خلیل کی دُعا قبول فرمائی اور ساری دنیا کی رہنمائی کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ ساتھ ہی آپ کے پیروں کو ایسی امت بنایا جو رہتی دنیا تک اسی سچے دین کی گواہی دیتے رہیں جس کی گواہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر دی۔

ہم مسلمان ہی پیغمبر کے بانٹین ہیں، اس حیثیت سے ہمیں یہ فرض ادا کرنا ہے۔ اس امت کو ”مسلم“ نام سے نوازا گیا یہ بتانا ہے کہ اس امت کو بندگی رب کا زندہ

نمونه ہونا چاہیے، اور اپنے نبیؐ کی تعلیم کو پورے غلوں سے لوگوں تک پہنچانا چاہیے تاکہ رسولؐ ان پر گواہ بن جائیں اور وہ لوگوں پر گواہ بن جائیں۔ امت مسلمہ کی حیثیت یہی ہے کہ وہ رسولؐ کی جانشین ہے، اور اسے وہی کام انجام دینا ہے جو رسولؐ نے انجام دیا۔ جس طرح آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے خدا کے دین کو واضح کرنے کا حق ادا کر دیا۔ ٹھیک اسی طرح امت کو بھی چاہیے کہ وہ دنیا کے سارے انسانوں کے سامنے دین کو واضح کرے، اور دین حق کی زندہ شہادت بن جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ امت زندگی کے میدان میں پونہی معمول کے مطابق نہیں آنکلی ہے بلکہ اس کو وجود میں لانے کا ایک عظیم مقصد ہے۔ اسے سارے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اٹھایا گیا ہے۔ اب رہتی دنیا تک تمام انسانی جماعتوں کی پیشوائی اور امامت کا فریضہ اسی کو انجام دینا ہے۔

اس امت کو ”امت مسلمہ“ کا خطاب دے کر اُس پر ایک عظیم ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے جن چیزوں سے مدد لینا ضروری ہے اسے بھی بیان فرما دیا گیا۔ فرمایا، تم نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو، اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔

یہ وہ فرائض ہیں جنہیں انجام دے کر امت مسلمہ خود بھی خدا کی بندگی کا حق ادا کر سکتی ہے اور دوسروں کو بھی اللہ کی بندگی کے لیے تیار کر سکتی ہے۔

اللہ سے وابستہ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لے۔ زندگی کے تمام معاملات میں اسی کی ہدایات سے رہنمائی حاصل کرے، اسی کی اطاعت کرے، اس کی نافرمانی سے ڈرے، اسی سے امیدیں اور اسی پر

بھروسہ رکھے، اسی کو اپنا معبود مانے، اسی سے دعائیں مانگے، اسی کی پناہ ڈھونڈے، اسی کو اپنا مشکل کشا اور مددگار سمجھے، اور اپنے توکل اور اعتماد کا سہارا بھی اسی کو تسلیم کرے۔ انہی تمام کیفیات کا نام اعتسام باللہ ہے۔

اور یہ کیفیات اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتیں جب تک نماز کی پابندی نہ ہو، غازی سے بندہ خدا سے قریب ہوتا ہے، اس پر بھروسہ کرنے کی قوت اس میں پیدا ہوتی ہے، اور اس کی طرف بڑھنے اور اس کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پرداز پڑھتا ہے، اور جو ذمہ داری اللہ کی طرف سے عائد کی گئی ہے اسے بحسن و خوبی اس وقت ادا کیا جاسکتا ہے جب یہ تمام صفات بدرجہ اتم موجود ہوں۔

### اللہ کی مدد کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ  
(محمدؐ ۷۲)

”اے ایمان لانے والو! تم اللہ کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور

تمہارے قدم جمائے رکھے گا۔“

مومنوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ وہ اللہ کی مدد کریں۔ اللہ کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے دین کی مدد کریں۔ اللہ کے دین کو سر بلند کرنے میں اپنی تمام صلاحیتیں لگا دیں، اس کے دین کے قائم کرنے کی کوشش میں اپنا سب کچھ قربان کر دیں، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب مومنوں کے دل میں یہ تڑپ اور یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ اللہ کا دین ہر طرف پھیلے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں

تک اللہ کی ہدایات پہنچیں تو پھر وہ ہر وقت اسی کی کوشش میں رہیں گے۔ انہیں یہی دھن اور یہی لگن رہے گی کہ جیسے بھی ممکن ہو اللہ کے دین کو سر بلند و نصیب ہو، ایسا کرنے میں انہیں چاہے کتنی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے، کوئی بھی مصیبت سامنے آئے، اسے برداشت کر لیں گے کیونکہ انہیں اللہ کا دین پھیلانا ہی ہے یہی اللہ کی مدد کرنا ہے۔ پھر ایسے بندوں کی مدد کا وعدہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ایسے مومن کو خدا اپنے فضل اور اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔ اُن کو دنیا و آخرت میں سُرخ رو کر تا ہے اور پھر ان کے قدم دین کے راستے پر جمادیتا ہے۔ یہی ثابت قدمی آخرت میں خدا کی خوشنودی کا باعث بنتی ہے اور بہترین اجر ملتا ہے۔

### اللہ کے مددگار بن جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لَلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ فَا امْنُتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَفَرَتْ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عِدَائِهِمْ فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ه

(الصفت: ۴۷)

”اے ایمان لانے والو! تم اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ، جس طرح عیسیٰ ابن مریمؑ نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون اللہ کی راہ میں میری مدد کرے گا تو حواریوں نے جواب دیا تھا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ پھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی، اور ایک نے کفر کیا۔ ہم نے ایمان لانے والوں

کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد فرمائی اور وہ غالب ہوئے ۷  
 عیسیٰ ابن مریمؑ کے حواریوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا ساتھ دیا  
 تھا اور ان کی اطاعت کی تھی۔ جب عیسیٰ علیہ السلام نے پکار کر پوچھا کہ کون اللہ کے  
 راستے میں میرا ساتھ دے گا؟ تو ان میں سے ایک گروہ تیار ہو گیا، وہ ایمان لے آیا۔  
 لیکن ایک گروہ ایسا تھا جس نے نافرمانی کی۔ پھر وہ لوگ جو ایمان لائے تھے اللہ  
 کے دین کی پکار پر جنہوں نے لبیک کہا تھا انہیں غلبہ نصیب ہوا۔ دشمنوں کے مقابلے  
 میں ان کی مدد فرمائی گئی۔ ان کی مثال دے کر مومنوں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم بھی  
 اسی طرح اپنے نبیؐ کا ساتھ دو۔ تم بھی اپنے دین کی خدمت کے لیے مستعد اور تیار  
 رہو تاکہ تمہیں وہ عزت، وہ کامیابی اور وہ غلبہ نصیب ہو جو عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھ  
 دینے والوں کو نصیب ہوا۔ اور اگر تم نے انکار کیا، رسولؐ کی پکار پر لبیک نہ کہا،  
 اس کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہوئے تو اس عذاب کے لیے تیار رہو جو تم سے پہلے  
 نافرمانوں پر گزر چکا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں غلبہ اور کامیابی  
 اسی وقت ملتی ہے جب وہ اللہ کے دین کی مدد کرنے کو تیار رہیں تاریخ میں ایسی بہت  
 سی مثالیں ملتی ہیں کہ جب تک ایمان پختہ تھا اپنی ہر چیز سے زیادہ دین اسلام پیارا تھا،  
 اس کو قائم کرنے کی تڑپ دل میں موجود تھی اس وقت تک مسلمان غالب رہے، ان  
 کی عزت و عظمت رہی اور ان کے دشمن ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لیکن جب ایمان میں  
 کمزوری آگئی، دنیا کی لذتوں میں دل پھنسنے لگا اور دین کی طرف سے بے رغبتی ہو گئی،  
 دین پھیلانا تو الگ رہا خود اپنے اعمال و عقائد دین کے بتائے ہوئے راستے سے

ہٹ گئے تو پھر انہیں تباہی نے گھیر لیا، مصیبتیں آئیں، وہ عزت و عظمت نہ رہی اور  
دشمن ان پر غالب آ گئے۔ یہ تو دنیوی تباہی ہے، جو آج بھی دیکھنے میں آ رہی ہے، اور  
آخرت کا حال تو پھر ظاہر ہی ہے۔ آخرت کی بربادی میں کیا شمار رہ جاتا ہے۔

---

# دَعْوَتِ إِلَى الْحَقِّ



مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ وہ سارے انسانوں کو حق کی دعوت دیں۔  
اللہ کے دین کی پیروی خود بھی کریں اور دوسروں کو بھی اس پر ابھاریں۔  
خدا کی ہدایات لوگوں کو سنائیں۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں۔  
یہ ان کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

## پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخْلُصُوا فِي السَّلَامِ كَآفَّةً وَلَا تَشِيعُوا  
خُطُوبَ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ نَكُمْ يُغِدُّ مُبِينٌ ۝ (البقرہ: ۲۰۸)

”اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ

اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے فرماتا ہے کہ تم ایمان تو لا چکے، لیکن اب پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ یعنی تمہاری زندگی کے سارے پہلوؤں پر اسلام چھا جائے، زندگی کے سارے معاملات میں تم اسلام سے رہنمائی حاصل کرو۔ تمہارے خیالات، تمہارے نظریات، تمہارے علوم و فنون، طور طریقے، معاملات زندگی سب اسلامی ہوں ایسا نہ ہو کہ تم زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کچھ میں تو اسلام کی پیروی کرو اور کچھ کو شیطان کے راستے پر لے جاؤ۔ اگر تم واقعی مومن ہو اور تم نے ایمان و اسلام کو قبول کیا ہے، اللہ کی بندگی کا دعویٰ کیا ہے تو تمہارا ایک ایک قدم اسلام کے بتائے ہوئے راستے پر اٹھنا چاہیے اور اسلام پر چلنا صرف عبادت کرنا تو ہے نہیں، اسلام تو زندگی کے تمام معاملات میں تمہاری رہنمائی کرے گا۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ شیطان کی پیروی نہ کرو، ہر معاملے میں اور اپنے ہر رسم و رواج میں شیطانی کاموں سے پرہیز کرو اور اپنی

ساری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ۔ جان لو شیطان تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو سچا مومن نہیں کہا جاسکتا جس کی زندگی کا کوئی عمل بھی اللہ کی مرضی سے ہٹ کر ہو رہا ہو۔ آج دیکھیے، کہنے کو تو ہم سب مومن کہلاتے ہیں اور مومن کا مطلب ہم صرف یہ سمجھتے ہیں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، خیرات اور اسی قسم کی عبادتیں ہم کرتے رہیں تو ہمارا شمار مومنوں میں ہوگا۔ لیکن اگر اس لفظ کے معنی پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مومن کہلانے کا مستحق وہ ہے جو اپنی ساری زندگی خدا کی مرضی کے مطابق بسر کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ میل ملاقات، شادی بیاہ، لین دین، غرض ہر قسم کے معاملے میں وہ صرف دین کی رہنمائی حاصل کرتا ہو اور اس کے مطابق عمل کرے۔ اسلام میں ان تمام معاملات کے بارے میں ہدایت موجود ہیں جو انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔ اس لیے ایمان کا دعویٰ اسی وقت تک پورا ہو سکتا ہے جب رسم و رواج اور اسلاف کے ان طور طریقوں سے ہٹ کر جنہیں شیطان کا راستہ کہا گیا ہے۔ زندگی اسلام کے دائرے میں آجائے۔ یہی اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا مطلب ہے۔ اور جب انسان پوری طرح اسلام میں داخل ہو جائے گا تو پھر وہ معاشرت، معیشت، سیاست ہر اعتبار سے اسلامی احکام کا پیرو اور پابند ہوگا۔

دین سے نہ پھرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ

عَلَى الْكَافِرِينَ يَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ فَضَّلَ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ مَنِ تَشَاءُ وَاللَّهُ دَاسِعٌ عَلَيْهِمْ

(المائدہ: ۵۴)

• اسے ایمان لانے والا اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو)  
پھر جائے) اللہ اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں  
گے اور اللہ انہیں محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت ہوں گے،  
جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت  
سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ  
تو وسیع ذرائع کا مالک اور سب کچھ جاننے والا ہے ۵

تمام ہدایتیں ملنے کے باوجود اگر کوئی راہ راست پر نہیں آتا تو نہ آئے اللہ  
کو بھی پھر اس کی پروا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ایسے لوگوں کے بارے میں  
فرمادیا کہ اگر کوئی اپنے دین سے پھر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کچھ اور لوگوں کو لے  
آئے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ مسلمان اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے  
دین سے پھر گئے تو اللہ تو بے نیاز ہے اسے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اس  
کی طرف آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار جو یہ یاد دلایا ہے کہ مسلمان اس کی ہدایتوں پر  
عمل کریں اور اس سے ڈرتے رہیں تو اس میں ان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ وہ اگر اس کی  
ہدایتوں پر عمل نہیں کرتے تو اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا، پھر کوئی دوسری قوم ایمان  
لے آئے گی اور یہ لوگ اس قوم کے ہاتھوں مٹا دیئے جائیں گے۔ اور وہ لوگ  
جنہیں اللہ تعالیٰ یہ مقام دے گا وہ اس سے محبت کرنے والے ہوں گے۔ اور

اللہ بھی ان سے محبت کرے گا۔ اور وہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ وہ اہل ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت استعمال نہ کریں گے، ان کی کوئی چیز بھی اور ان کا کوئی کام بھی ایسا نہ ہوگا جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچے، اور مسلمان انہیں نرم خو، رحم دل اور اپنا ہمدرد سمجھیں گے، اور کفار پر سخت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ایمان کی بچنگی، دینداری اور سیرت کی طاقت کی وجہ سے مخالفین اسلام کے سامنے ہتھکڑی چٹان کی مانند ہوں گے، انہیں ان کی جگہ سے کبھی نہیں ہٹایا جاسکے گا۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے رہیں گے۔ دین قائم کرنے کی سان توڑ کوشش کریں گے اور اس سلسلے میں وہ ظلم و کفر کی ہر چوٹ سے ٹکریں گے۔ تمام رکاوٹوں کی پروا کیے بغیر دین قائم کر کے رہیں گے۔ اور وہ کسی برا بھلا کہنے والے کے ڈر سے اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے۔ اللہ کے دین کی پیروی کرنے میں، اس کے احکام پر عمل کرنے میں اور حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے میں انہیں کوئی ڈر نہ ہوگا۔ کسی کی مخالفت اور اعتراضات کی پروا انہیں نہ ہوگی چاہے سالہا کیسے ہی ناسازگار ہوں۔ یہ تو اس خدا کی راہ پر چلتے ہیں گے جس پر ایمان لائے ہیں۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آج جو مسلمان ان صفات کے مالک نہیں ہیں تو ان کے لیے اس بات کا اندیشہ ہو سکتا ہے کہ کہیں وہ دین سے نہ پھر جائیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایذا دقت آنے سے پہلے ہی وہ اپنے اعمال درست اور دین سے تعلق مضبوط کر لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دین سے پھر کر وہ ذلیل و خوار ہو جائیں اور اللہ اپنے کچھ دوسرے بندوں کو یہ مقام دے دے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس عنایت کا مستحق ہے۔ یہ تو اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

وہ وسعت والا ہے اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ مومنوں کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کو ہاتھ سے نہ بالے دیں۔ اپنے اعمال میں وہ خوبی پیدا کریں جو انہیں خدا سے قریب کرے اور اس کا پسندیدہ بندہ بنا دے۔

**اللہ کی راہ میں کیوں نہیں نکلتے؟**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
أَخَذْتُمُ إِلَى الْأَرْضِ مِنْ طَرَفَيْكُمْ بِالْحِيلِ ۚ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۖ فَمَا  
مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ (التوبة: ۳۸)

”اے ایمان لانے والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں

نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے

مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو جان لو دنیاوی زندگی

کے یہ سب ساز و سامان آخرت کے لحاظ سے بہت ہی کم ہیں۔“

یہاں وہ لوگ مخاطب ہیں جو مومنوں میں شمار تو کیے جاتے ہیں لیکن حال یہ ہے

کہ انہیں دین اسلام سے زیادہ اپنا مال اور اپنی جان عزیز ہے۔ گویا اپنے کو مومن تو

کہتے ہیں لیکن منافقوں کا سا انداز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی مومنوں کو خطاب

فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا جب اللہ کی راہ میں کسی قربانی اور جہاد کا وقت آتا ہے تو

تم گھروں سے نکلتے ہی نہیں اپنی جان چراتے ہو اور زمین سے چپکے جاتے ہو کیا تمہیں

آخرت عزیز نہیں ہے کہ تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے اس طرح بچ رہے ہو؟

تمہارے اس انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ تم نے شاید آخرت کے مقابلے میں

دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے۔ یہاں کی ماضی لذتیں اور فنا ہو جانے والے آرام تمہیں آخرت میں ملنے والے اجر سے زیادہ پسند ہیں، اسی لیے تو تم دنیا کو چھوڑ کر اللہ کے راستے میں جہاد کرنے نہیں نکلتے۔ تمہیں اپنے آرام اور اپنی آسائشیں اتنی عزیز ہیں کہ خدا کی راہ میں ملنے والی تکلیفیں تمہیں گوارا نہیں۔ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ تم خدا کی راہ میں جتنی قربانیاں دو گے اس کا بہترین اجر تمہیں ملے گا اور ہمیشہ رہنے والی زندگی میں تمہیں آرام اور آسائشیں نصیب ہوں گی؟ اس بات کو یاد رکھو کہ یہ سارے عیش و آرام اور سادو سامان جنہیں چھوڑنے کو تمہارا کسی طرح دل ہی نہیں چاہتا۔ آخرت کی ملنے والی راحتوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہیں۔ جب تم آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی اور وہاں کے آرام بے حد و بے حساب سامان دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کی تھوڑی سی زندگی میں تم جن چیزوں سے بڑا لطف اٹھا رہے تھے، اور انہی کو سب کچھ سمجھ رہے تھے۔ وہ یہاں کی بے پایاں نعمتوں کے سامنے کچھ بھی نہیں تھے۔ اور پھر اس وقت تم بچپتاؤ گے کہ تم نے ماضی لذتوں میں بھنس کر اپنے آپ کو ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے محروم کر لیا۔ اور یہ بھی اچھی طرح جان لو کہ یہاں تم چاہے کتنے ہی عیش و عشرت کے سامان جمع کر لو وہ دنیا میں تو تمہارے ساتھ ہیں لیکن موت کے آتے ہی تم ان سب چیزوں کو چھوڑ دو گے، چاہے یہاں تمہیں اپنی دولت کتنی ہی عزیز ہو مرنے کے بعد یہ کچھ بھی تمہارے کام نہ آئے گا۔ وہ دنیا جہاں تمہیں اس دنیا کو چھوڑ کر جانا ہے وہاں تمہارے ساتھ کچھ نہیں جاسکتا وہاں اگر کچھ تم پا سکتے ہو تو وہی جسے تم نے خدا کی مرضی پر قربان کر دیا ہو، اور خدا اور اس کے دین کی محبت جس پر غالب آگئی ہو۔ اس لیے اپنی جو محبوب ترین چیز تم اپنے ساتھ وہاں

بھی دیکھنا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ اسے خدا کی راہ پر قربان کر دو۔  
 مومنوں کو اس سے یہ ہدایت ملتی ہے کہ اس دنیا میں جو سادو سامان انہیں  
 ملے ہیں وہ انہیں اپنا نہ سمجھیں۔ سب کچھ خدا کی امانت سمجھتے رہیں اور حبیب اس کی راہ  
 پر کچھ قربان کرنے کا وقت آئے تو انہیں ذرا بھی تامل نہ ہو، سب کچھ اس کی راہ میں  
 لگانے کو تیار رہیں کیونکہ یہاں وہ جو کچھ خدا کی راہ میں دے دیں گے وہی اُن کے  
 کام آئے گا اور اسی کا اجر انہیں ملے گا۔ انہیں ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس  
 دنیا کی چیزیں یہیں رہ جانے والی ہیں، یہ عارضی ہیں۔ ابدی نعمت حاصل کرنا ہے تو  
 انہیں چھوڑنا ہوگا۔

### شیطان کی پیروی نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ  
 خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْ لَا فَضْلُ  
 اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا ذَكَّرْتُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ  
 يُزَكِّي مَنِ يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (النور: ۲۱)

”اے ایمان لانے والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ جو کوئی اس  
 کی پیروی کرے گا تو وہ اُسے فحش اور بدی کا حکم دے گا اگر اللہ کا فضل تم پر  
 نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہ ہو سکتا مگر اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک  
 کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا ہونے والا ہے“

یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو شیطان سے خبردار کرتے ہوئے اس کے



نقش قدم پر نہ چلنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ حقیقت مومنوں کو بھادی گئی کہ اگر وہ شیطان کے کہنے میں آئیں گے تو اپنا ہی کچھ بگاڑیں گے۔ کیونکہ شیطان انہیں بے حیائی اور برائی کا حکم دے گا۔ یہاں فحشاء اور منکر کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ تمام اخلاقی برائیاں ہیں جنہیں انسان کی فطرت برا جانتی ہے اور ہمیشہ سے ہر قوم اور ہر معاشرے کے لوگ چاہے وہ کتنے ہی بگڑ چکے ہوں اسے بُرا ہی سمجھتے ہیں۔ ہر انسان بدی کے مقابلے میں نیکی کی قدر پہچانتا ہے۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جو برائی کو بھلائی سمجھ اور بھلائی کو بدی منگاہ سے دیکھے اور وہ جو ان اخلاقی برائیوں سے پاک ہوتا ہے اسے ان سب لوگوں پر زبردست برتری حاصل ہوتی ہے جو طرح طرح کی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوں۔ اسی لیے مومنوں کو شیطان کی پیروی سے روکا گیا جس میں ان کی تباہی اور بربادی ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص پاک نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کتنی سچی بات ہے۔ شیطان تو انسان کو برائی کی نجاستوں میں آلودہ کرنے کے لیے تلا بیٹھا ہے۔ اگر اللہ اپنے فضل و کرم سے اسے سیدھی راہ نہ دکھائے نیک و بد کی تمیز نہ دے تو پتہ نہیں انسان برائیوں کی کس ذلزل میں جا پھنسے جہاں سے اس کا نکلنا بھی ممکن نہ ہو اور یہ پھر اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے پاکیزگی بخشا ہے۔ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ وہ اندھا دھند جس کو چاہے پاک کر دے۔ اللہ کو تو سب خبر ہے کہ کس بندے میں بھلائی کی طلب ہے اور کون برائی کو پسند کرتا ہے۔ دل میں جو بھی خیالات اور ارادے پیدا ہوتے ہیں سب اللہ کے علم میں آتے رہتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے اس علم کی بنا پر فیصلہ کرتا ہے کہ کس کو

پاکیزگی بخشے اور کس کو نہیں۔

اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دل میں ہمیشہ بھلائی کی طلب رکھے اور  
برائیوں سے نفرت رکھے دل میں بھلائی کا جذبہ ہو جب ہی ہدایت ملے گی اور حبیب  
ہی پاکیزگی نصیب ہوگی۔

WWW-KITABOSUNNAT.COM

# حُسن معاملات

اللہ تعالیٰ نے

انسانی معاملات میں ہائز و ناہائز کے حدود مقرر فرمادیئے ہیں۔

اور حلال و حرام کے احکام دیئے ہیں۔

تمام معاملات کے لیے قرآن میں واضح قوانین موجود ہیں۔

ان کی پیروی کرنا ایمان کی کسوٹی ہے۔

ان کو تسلیم کرنا مسلمان کا فرض ہے۔

## مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ  
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ  
اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدَاوَاتَنَا وَظُلْمًا  
فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (النساء: ۲۹، ۳۰)

دو اے ایمان والے! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے

پر نہ کھاؤ۔ آپس کی رضامندی سے لین دین ہونا چاہیے، اور اپنے آپ کو قتل

نہ کرو۔ یقین مانو اللہ تمہارے اوپر مہربان ہے جو شخص ظلم و زیادتی کے

ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے ۛ

آپس کے معاملات کو بہتر طریقے پر بنانے کے سلسلے میں یہ آیت بھی بڑی اہم

ہے۔

یہاں مومنوں کو ایک دوسرے کا مال باطل طریقے پر نہ کھانے کی ہدایت

کی گئی ہے۔ باطل طریقوں سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو حق کے خلاف ہوں،

اور شرعی اور اخلاقی طور پر ناجائز ہوں۔ آپس کی رضامندی سے لین دین ہونا چاہیے۔

یعنی آپس میں جو سودا ہو اس میں دونوں خرید و فروخت کرنے والوں کا فائدہ ہو

جس طرح تجارت وغیرہ میں ہوتا ہے کہ ایک رقم دیتا ہے تو دوسری طرف سے

تیز ملتی ہے۔ لین دین میں کسی پر ناجائز دباؤ یا فریب اور دغا نہ ہونا چاہیے۔ مثلاً سود، رشوت اور جوئے وغیرہ میں بظاہر تو رضامندی ہوتی ہے لیکن یہ رضامندی دباؤ کے اثر سے ہوتی ہے۔ اسی طرح جعل اور فریب کے کاروبار بھی اسی غلط فہمی کی بنا پر کیے جاتے ہیں کہ اس میں کوئی فریب نہیں ہے۔ اگر دوسرے فریق کو اس کا فریب معلوم ہو جائے تو ظاہر ہے کہ وہ اس پر رضامند نہ ہو اس لیے اس طرح کے تمام لین دین جائز نہیں ہیں۔

پھر ساتھ ہی فرمایا گیا کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانا، خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے۔ اس سے معاشرہ بھی بگڑتا ہے اور اپنی آخرت بھی خراب ہوتی ہے۔ اور یقیناً اللہ تمہارے اوپر بڑا مہربان ہے۔ وہ تو ہر معاملے میں تمہاری بھلائی چاہتا ہے۔ اور یہ اس کی مہربانی ہی تو ہے کہ وہ تم کو ایسے کاموں سے منع کر رہا ہے جس میں تمہاری بربادی اور تباہی ہے۔

زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایتیں دی ہیں، وہ ہمارا خیر خواہ ہے، اسی لیے تو وہ ہماری پوری زندگی کو صحیح رخ پر دیکھنا چاہتا ہے، اور ان باتوں سے ہمیں پہلے ہی خبردار کر دیتا ہے جس میں بربادی اور تباہی ہو۔ اب بھی اگر کوئی بات نہ مانے تو اس کا انجام دوزخ کی آگ ہے، اللہ کے لیے یہ بات مشکل نہیں ہے، نا فرمانوں کو وہ سزا دیا ہی کرتا ہے۔

اس سے آگے کی آیت میں یہ امید دلائی جا رہی ہے کہ اگر بڑے بڑے گناہوں سے تم بچتے رہے تو تمہاری چھوٹی چھوٹی برائیاں معاف کی جاسکتی ہیں اور تمہیں آخرت

میں عزت کی سبکدوشی ملتی ہے۔

اللہ اپنے بندوں پر اتنا سخت نہیں ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر انہیں سزا دے۔  
بڑے گناہوں سے پرہیز کرنے پر چھوٹے گناہ اللہ معاف کر دیا کرتا ہے۔

انصاف کے علمبردار بنو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ شَهَادَةً لِلَّهِ وَلَكُمْ عَلَى  
أَنْفُسِكُمْ أَوَالِدٌ دِينٌ وَالْأَقْرَبُونَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ  
أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا إِنْ تَلُوا أَوْ تَعْرِضُوا  
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (النساء: ۱۳۵)

”اے ایمان لانے والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ  
بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا  
تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ جس سے معاملہ ہے  
وہ چاہے مالدار ہو یا غریب بہر حال اللہ دونوں سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ  
تم اس کا لحاظ کرو۔ اس لیے اپنی خواہشات کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو  
اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو جو کچھ تم کرتے  
ہو اللہ کو اس کی خبر ہے“

ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ تم صرف انصاف کی روش پر ہی نہ چلو بلکہ انصاف  
کے علمبردار بنو۔ تمہارا کام صرف اتنا نہیں ہے کہ خود انصاف کرو، بلکہ انصاف  
کا جھنڈا لے کر اٹھو، تم دنیا سے ظلم کو مٹاؤ اور عدل اور انصاف کو دنیا میں قائم



کرد۔ عدل اور انصاف کو دنیا میں قائم ہونے کے لیے ایک سہارے کی ضرورت ہے۔ تم چونکہ مومن ہو اس لیے یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم وہ سہارا بن جاؤ۔

پھر دوسرا حکم یہ دیا کہ خدا واسطے کے گواہ بنو یعنی تمہاری گواہی صرف خدا کے لیے ہونی چاہیے۔ تم خدا کو حاضر و ناظر جان کر بات کہو، کسی کی رُو رعایت اس میں نہ ہونی چاہیے۔ نہ ذاتی فائدہ سامنے رکھو، اور نہ قومی اور ملکی مفاد۔ جو بات حق ہے وہی کہو چاہے اس سلسلے میں تمہیں اپنے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کچھ کہنا کیوں نہ پڑ جائے۔ چاہے تم کسی غریب کے بارے میں کچھ کہو یا مالدار کی بات ہو رہی ہو، حق اور انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ ایسا نہ ہو کسی دباؤ، لالچ یا ڈر سے تم حق بات کہنے سے رُک جاؤ، اور جس بات کو حق سمجھتے ہو اُسے بھی کسی کی رُو رعایت کرتے ہوئے نہ کہو۔ یہ بات بہت غلط ہوگی۔

تم اللہ کو سب سے زیادہ مستحق سمجھو، اور اس کا لحاظ کرو۔ جب کوئی موقع آئے تو تمہیں یہ دھیان رہنا چاہیے کہ اللہ نے اس سے متعلق کیا حکم دیا ہے کسی معاملہ میں نہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق کوئی بات کہو اور نہ کسی سے لگی لپٹی بات کرو۔ صاف صاف سیدھی اور سچی بات کہا کرو۔ یہ دھیان تمہیں ہمیشہ رہنا چاہیے کہ تمہاری ایک ایک بات اللہ کے علم میں ہے، یہی خیال تمہیں غلط کاموں سے روکے گا اور تم خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چل سکو گے۔

اہل کتاب کے اکثر علماء و درویش حرام مال کھاتے ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالزُّهْبَانِ

لَيْسَ كُنُوفٌ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصَدَّقُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ  
الَّذِينَ يَكْنُزُونَ الدَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَفْقَهُوْنَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
قَبِضُوهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (التوبة: ۳۴)

”اے ایمان لانے والو! ان اہل کتاب کے بہت سے علماء اور  
درویش لوگوں کے مال کو باطل طریقے پر کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی راہ  
سے روکتے ہیں۔ ان لوگوں کو دردناک سزا کی خوشخبری دو، جو سونے اور  
چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔“  
اسلام مال کی حرم، لالچ اور کنجوسی کو پسند نہیں کرتا۔ اسی لیے فرمایا اے  
مومنو! اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں بہت سے ایسے ظالم لوگ علماء اور  
درویش بن بیٹھے ہیں جو ناجائز طریقے پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کی  
راہ سے بھی روکتے ہیں، ان لوگوں کا ہمیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کچھ ایسا  
روپ دے لیتے ہیں کہ لوگ انہیں کوئی پہنچا ہوا بزرگ سمجھنے لگیں۔ اور پھر جب  
لوگ ان کے متعلق دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اپنا اُلُو خوب سیدھا کرتے  
ہیں فتوے بیچتے ہیں، رشوتیں کھاتے ہیں، نذرانے اڑاتے ہیں، ایسی ایسی مذہبی  
باتیں کرتے ہیں کہ لوگ اپنی نجات ان سے خریدنے لگیں۔ ان کا مرنا جہنم،  
شادی، غم ان کو کھلائے بغیر نہ ہو سکے اور لوگ ان کی جمبوٹی باتوں میں آکر  
یہ سمجھنے لگیں کہ ہماری قسمت بنانے، بگاڑنے کے ٹھیکیدار ہی ہیں۔ پھر ان کو  
نذرانے پیش کریں اور اپنی قسمت کا حال معلوم کریں۔ مرادیں، منتیں مانیں اور ان  
پر چڑھاوا چڑھائیں۔ مومنوں کو ایسے لوگوں سے خبردار رکھنے کے لیے یہ بیان

فرمایا جا رہا ہے۔ پھر ان لٹیروں کا ایک اور بڑا ستم یہ ہے کہ بے وقوف لوگوں کا مال سمیٹنے کی خاطر انہیں گمراہ بنانے کی لٹریں دیتے ہیں۔ جب بھی کچھ لوگ حق کی دعوت لے کر اُٹھتے ہیں تو سب سے پہلے ہی لوگ ان کی راہ روکتے ہیں، جمبوٹے عالم بن کر فریبی باتیں گڑھتے ہیں اور لوگوں کو اسلام سے رد کرنے کے لیے خوب سکاری سے کام لیتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی مشارکے مطابق مسئلے بتاتے ہیں اور رشتہیں وصول کرتے ہیں، اور اس طرح ناساز طریقے پر لوگوں کا مال اڑاتے ہیں۔ اس لالچ کے ساتھ ساتھ کنجوسی کی صفت میں بھی یہ لوگ حد سے زیادہ بڑھے ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ٹھگ کر یہ سونے چاندی کے خزانے جمع کر لیتے ہیں، اور پھر جتنی دولت ہوتی ہے ان کا لالچ اور ان کی کنجوسی اتنی ہی بڑھتی ہے۔ یہ اپنی دولت خدا کی راہ میں کبھی خرچ نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگوں کو عذاب اور دردناک مذاہب کی خوشخبری ہے۔ ایسے لوگوں کے طور طریقے چونکہ خدا کو پسند نہیں ہیں اس لیے ان پر خدا کا غضب یقینی ہے۔

آگے یہ فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں حرام مال جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں قیامت میں ان کے ان مالوں سے ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹوں کو داغا بلے گا اور ان سے یہ کہا جائے گا کہ لو یہ ہے وہ خزانہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے، اب اس کا مزہ چکھو۔

بلا تحقیق بات نہ مان لیا کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن

تَصْنِبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِبِينَ ۝  
(الحجرات: ۶)

”اے ایمان والے! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔“

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب قبیلہ بنی المصطلق مسلمان ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو بھیجا کہ ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر لائیں۔ یہ وہاں گئے لیکن کسی وجہ سے ڈر گئے اور ان لوگوں سے طے بغیر واپس آ گئے اور اگر بیڑہ سخت کر دی کہ یا رسول اللہ! ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو ایک دستہ بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ ان لوگوں کو اس کی سزا دی جائے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں دستہ روانہ بھی کر دیا تھا۔ بہر حال اس درمیان اس قبیلے کے سردار کو اس بات کی اطلاع ہو گئی۔ وہ فوراً ایک وفد لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ! یہ بات بالکل غلط ہے ہم سے تو ولید نے کچھ نہیں کہا۔ ہم زکوٰۃ سے انکار کیسے کر سکتے تھے اور نہ ہم نے ان کے قتل کا کوئی ارادہ کیا۔ ہم تو ایمان پر قائم ہیں۔ ہمیں زکوٰۃ دینے سے ہرگز انکار نہیں ہے۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ اصولی ہدایت دی کہ جب تمہیں کوئی ایسی خبر

ملے جو اہمیت رکھتی ہو اور اس سے کوئی خاص نتیجہ نکلتا ہو تو پہلے یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ خبر لانے والا آدمی کیسا ہے۔ اگر وہ کوئی فاسق آدمی ہو یعنی جس کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ اس کی بات اعتماد کے لائق نہیں ہے، تو اس کی دی ہوئی خبر پہلے تحقیق کر لو اچھی طرح سوچ سمجھ کر کسی بات پر یقین کرنا چاہیے۔ جس کی سیرت بھروسے کے قابل نہیں ہے اس کی بات پر تو بہت ہی چھان بین کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی اصول کی بناء پر وہ لوگ جنہوں نے حدیثیں بیان کی ہیں ان کے اخلاق سیرت اور کردار کے بارے میں خوب تحقیق کی گئی ہے، اپنی عملی زندگی میں وہ کیسے رہے۔ اس بات کا تجزیہ اچھی طرح کیا گیا ہے۔ اور پھر اس سلسلے میں اگر کسی بھی حدیث بیان کرنے والے میں ذرا بھی اخلاقی کمزوری دکھائی دی تو اس کی بیان کی ہوئی حدیث کو کمزور اور ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ اہل علم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بدکردار اور فاسق لوگوں کی دی ہوئی اطلاع قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

# حُسْنِ معاشرت

قرآن میں وہ ہدایات بھی موجود ہیں  
جو معاشرے کو سنوارتی ہیں۔  
زندگی کو نکھارتی ہیں۔  
تعلقات کو خوشگوار بناتی ہیں۔  
اور گھریلو زندگی کو انتشار اور کشاکش سے بچاتی ہیں۔

## زبردستی عورتوں کے وارث نہ بنو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا  
وَلَا تَفْضُلُوهُنَّ لِشَدِّ هَبْوٍ بِغَضٍ مَّا أَتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ  
بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ  
فَمَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء: ۱۹)

”اے ایمان لانے والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ

زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ  
کر کے اس مہر کا کچھ حصہ لے لینے کا کوشش کرو جو تم انہیں دے  
چکے ہو یا اگر وہ کوئی کھلی ہوئی بدعلنی اختیار کریں (تو تمہیں ان کو تنگ  
کرنے کا حق ہے) ان کے ساتھ بھلے طریقے سے رہو اگر وہ تمہیں  
ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے  
اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو“

اسلام سے پہلے عورتوں پر بہت ظلم کیا جاتا تھا۔ ان کے کسی حق کا تو کوئی سوال  
ہی نہ تھا۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کے حقوق یاد دلائے ہیں اور انہیں ظلم  
کرنے سے روکا ہے۔ اسی سلسلے میں یہ آیت بھی ہے۔

پہلی بات تو یہ بتانی گئی کہ یہ بات تمہارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے کہ



تم زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔ یہ دُورِ جاہلیت کی اس بدترین رسم کی طرف اشارہ ہے جس میں ایسا ہوتا تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر مرتا تو کوئی دوسرا شخص آ کر اُس کے سر پہ کپڑا ڈال دیتا تھا، اور ایسا کرتے ہی وہ اس کا حقدار مان لیا جاتا اب اُسے اس بات کی اجازت تھی کہ وہ اس بیوہ سے نکاح کر لے لیکن کوئی ہر مقرر کرتا اور وہ مہر وہ خود لے لیتا۔ اس طرح زبردستی وارث بن کر اس کا حق مارنا اسلام میں جائز نہیں۔ مومنوں کو اس سے روکا گیا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر تم نے ان کا مہر ادا کر دیا ہے تو پھر انہیں تنگ کر کے اس مہر میں سے کچھ لینے کی کوشش نہ کرو۔ اس کی تفسیر کچھ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ عورت کو اس لیے تنگ کرے کہ جو مہر میں نے دیا ہے اس میں سے کچھ واپس کرے تو میں طلاق دوں۔ ایسا کرنا مومن کے لیے جائز نہیں۔ ہاں اس بات کی اجازت اس وقت دی جاسکتی ہے جب وہ کھلی ہوئی بے حیائی یا بدکاری کرے تو تم اس سے مال لے کر اُسے چھوڑ سکتے ہو، لیکن یہ مال مہر سے زیادہ نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ سلوک کرنا اور ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزارو۔ اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔ یعنی ایسا ملن ہے کہ تمہیں کوئی عورت پسند نہ ہو۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اسی میں کوئی بھلائی رکھ دی ہو۔ یعنی اگر بظاہر کسی عورت کی صورت شکل میں کوئی ایسا عیب ہو جس کی وجہ سے وہ پسند نہ آئے تو شوہر کے لیے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس میں کوئی اخلاقی خوبی ایسی

ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نعمت ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ ازدواجی تعلق کو توڑنے میں جلد بازی سے کام لیا جائے طلاق تو بالکل آخری پارہ کا رہے جسے بے حد مجبور ہو جانے پر ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ان سب ہدایات کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں مرد و عورتوں کے حقوق کو پہچانیں۔ عورتوں کو کمزور سمجھ کر ان پر ظلم و زیادتی نہ ہو، ان کے ساتھ خُشن سلوک اور نرمی کی جائے اور بھلے طریقے سے زندگی گزاری جائے۔

بلا اہانت دو سروں کے گھروں میں نہ جاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (النور: ۲۷)

» اے ایمان لانے والو! اپنے گھروں کے علاوہ کسی کے گھر میں داخل

نہ ہو! کرو جب تک گھر والوں سے رضائے لے لو، اور گھر والوں پر سلام

نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے امید ہے تم اس کا خیال رکھو گے۔

اسلام نے روزمرہ کے معمولی معاملات میں بھی ہر بات کا ایک صحیح طریقہ مقرر

کر دیا ہے۔ اس کے ہر مقرر کیے ہوئے طریقے پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے

کہ اس میں کتنی بھلائی ہے۔ اس بارے میں جتنی بھی آیتیں ہیں سب سے اندازہ

ہوتا ہے کہ باہم میل محبت اور بہترین تعلقات کے لیے یہ کتنی کامیاب

ہدایتیں ہیں۔

یہاں فرمایا کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اس سے یہ اندازہ نہ کر لو کہ تمہارا آنا اسے پسند بھی ہے یا نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ اس وقت تمہارا آنا اسے ناگوار ہو رہا ہو، ایسا کرنے سے تعلقات پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے۔

پھر ایک طریقہ یہ بھی بتایا گیا کہ جب کسی کے گھر جاؤ تو اسے سلام کر کے اجازت طلب کرو۔ بہت سی حدیثیں بھی اس سلسلے میں ہیں۔ یہ آداب ملاقات اسلام کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے مومن کا فرض ہے کہ وہ ان کا خیال رکھے۔  
اس حکم کے نازل ہونے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے میں یہ آداب و قواعد جاری فرما دیئے تھے۔

۱۔ بغیر اجازت لیے کسی کے گھر میں داخل ہونا بھی منع ہے اور ساتھ ہی دوسروں کے گھر میں جھانکنا اور باہر سے نگاہ ڈالنا بھی جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے کا خط اس کی اجازت کے بغیر پڑھنا ٹھیک نہیں۔ اجازت مانگنے کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ دروازے کے بالکل سامنے کھڑے نہ ہو، بلکہ آڑ میں داخل یا بائیں ہو کر اجازت لینی چاہیے۔ اس لیے کہ گھر کے اندر نگاہ نہ پڑ جائے۔ ایک حدیث سے کچھ لوگوں نے یہ معنی بھی لیے ہیں کہ جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینا چاہیے۔ اگر کوئی شخص گھر میں بلا اجازت گھس آئے اور گھروالوں کے روکنے پر باز نہ آئے تو گھروالوں کو یہ حق ہے کہ وہ اس سے مقابلہ کریں چاہے اس طرح اس کی آنکھ پھوٹ جائے یا کوئی اور عضو ٹوٹ جائے۔

۲۔ بعض فقہاء نے نگاہ کے حکم میں سماعت کو بھی شامل کیا ہے یعنی

کسی کے گھر میں کان لگا کر باتیں سنتا بھی جائز نہیں ہے۔

۳۔ اجازت لینے کا حکم دوسروں کے گھر جانے کی صورت میں بھی ہے اور اپنی ماں بہنوں کے پاس رہنا ہو تو بھی اجازت لینا ضروری ہے۔ ایک صحابیؓ تو کہتے ہیں کہ اپنے گھر میں اپنی بیوی کے پاس جاتے ہوئے بھی کم سے کم کھنکار دینا چاہیے۔  
۴۔ صرف اس صورت میں اجازت طلب کرنے کا حکم نہیں ہے جب کسی کے گھر پر اپنا یک کوئی مصیبت آجائے۔ مثلاً آگ لگ جائے یا چور گھس آئے ایسے موقع پر مدد کے لیے بغیر اجازت سما سکتے ہیں۔

۵۔ اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ دروازے پر ٹھہر کر السلام علیکم کہا جائے اور اجازت طلب کی جائے۔

۶۔ اگر گھر والا خود اجازت دے یا گھر کا اور کوئی قابل اعتبار شخص جس کے متعلق یہ یقین ہو کہ یہ گھر والے کی طرف سے اجازت دے رہا ہے تو اندر جانا چاہیے۔ اگر کوئی بچہ کہہ دے کہ آجاؤ تو اعتماد نہ کرنا چاہیے۔

۷۔ اجازت طلب کرنے میں بہت اصرار کی ضرورت نہیں ہے، یا اگر اجازت نہ ملے تو دروازے پر جھک کر کھڑے ہو جانا بھی ٹھیک نہیں، تین بار اجازت طلب کرنا چاہیے۔ جواب نہ ملے تو واپس آ جانا چاہیے اگر ملاقات کے لیے اس وقت کوئی منع کر دے تو بھی واپس چلے جانا چاہیے۔

گھروں میں جانے کے لیے اجازت لینے کے تین اوقات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ آتِ الْبُيُوتِ مَلَكُوتُ أَيُّهَا نَكُمُ

وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثٌ مِمَّنْ قَبْلَ صَلَوةِ  
الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَوةِ  
العِشَاءِ ثَلَثُ عَوَاثٍ لَكُمْ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَعَدَّا  
هَٰنَ مَا طَوَّافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ  
الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (النور: ۵۸)

۱۔ اے ایمان لانے والو! تمہارے مملوک اور تمہارے وہ بچے جو ابھی  
عقل کی مدد کو نہیں پہنچے ہیں ضروری ہے کہ وہ تین اوقات میں اجازت لے کر  
تمہارے پاس آیا کریں صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو جب تم کپڑے اتار کر  
رکھ دیتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے لیے پر دے  
کے وقت ہیں۔ ان کے بعد وہ بلا اجازت تمہارے پاس آئیں تو نہ تم پر کوئی  
گناہ ہے اور نہ ان پر۔ تمہیں ایک دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی ہوتا ہے  
اسی طرح اللہ نے تمہارے لیے اپنی ہدایتیں کھول کھول کر رکھ دی ہیں۔  
اور وہ جاتے والا اور حکمت والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے مومنو! تمہارے وہ غلام اور لونڈیاں جو تمہاری  
خدمت کے لیے مقرر ہیں اور وہ بچے جو ابھی بالغ نہیں ہیں، ان سب کے لیے یہ  
ضروری ہے کہ وہ تین اوقات میں تمہارے پاس اجازت لے کر آیا کریں۔ ویسے  
تو یہ لوگ آتے جاتے رہتے ہیں، اور انہیں بار بار آنا ہی ہوتا ہے لیکن فجر کی نماز  
سے پہلے اور دوپہر کو اس وقت جب تم آرام کے لیے کسی تنہا جگہ پر ہو، اور عشاء  
کی نماز کے بعد۔ یہ تینوں وقت ایسے ہیں کہ ان اوقات میں گھر کے بچوں اور خادموں

کا تمہارے پاس آجانا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تینوں وقت تمہارے لیے پردے کے ہیں۔ اس لیے انہیں یہ ہدایت کر دو کہ ان تینوں وقتوں میں جب وہ تمہارے پاس آنے لگیں تو پہلے اجازت لے لیا کریں۔

اللہ نے تو اپنی ساری ہدایتیں کھول کھول کر بیان فرمادی ہیں، واضح الفاظ میں تمام نصیحتیں موجود ہیں۔ اسے یہ علم ہے کہ کون اپنے تمام معاملات میں ان ہدایتوں سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، اور جو ایسا کرے تو اللہ تو بڑی حکمت والا ہے، اسے بہترین اجر سے نوازے گا۔

### ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمًا مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءً مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِغِشِّ الْإِنْسِمِ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (الحجرات: ۱۱)

”اے ایمان لانے والو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں نہ ہو سکتا

ہے وہ ان سے اچھے ہوں۔ اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں

ہو سکتا ہے وہ ان سے اچھی ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو

اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد

فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جو لوگ اس سے باز نہ آئیں یہی

ظالم ہیں ۛ

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ماتھے والے آپس میں لڑ جھگڑ کر رہیں اور ان کے تعلقات خراب ہوں۔ وہ تو باہم میل محبت اور خوشگوار تعلقات کی فضا پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس معاملے میں بھی اس نے بہت سی ہدایتیں دی ہیں۔ ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔

یہاں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو الگ الگ مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے کوئی کسی کا مذاق نہ اڑائے۔ مذاق اڑانے سے مراد محض زبان ہنسنے ہی مذاق اڑانا نہیں ہے بلکہ کسی کی نقل اتارنا، اُس کی طرف اشارے کرنا، اس کی صورت، اس کے لباس یا اس کی کسی بات اور کام پر ہنسنا اور اعتراض کرنا، اس کی کسی غرابی کی طرف لوگوں کو اس لیے توجہ دلانا کہ سب اس پر ہنسیں۔ یہ سب مذاق اڑانے میں داخل ہے۔ یہاں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپس میں کسی کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اس آیت سے پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور بھائی بھائی آپس میں لڑ کر نہیں بل کر رہتے ہیں اس لیے کسی کو حقیر سمجھنا اور مذاق اڑانا کسی طرح بھی ٹھیک نہیں ہے، اور انسان کسی کو ذلیل اسی وقت سمجھتا ہے جب وہ اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہو۔ اپنے کو بڑا سمجھنا خود ایک عیب ہے اس لیے غرور میں اگر دوسروں کا دل دکھانا بہت ہی بری بات ہے اس سے تعلقات خراب ہوتے ہیں اور معاشرے میں فساد برپا ہوتا ہے۔

ساتھ ہی دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ آپس میں ایک دوسرے کو طعن نہ دو۔ طعن دینے سے بھی مراد وہی سب باتیں ہیں جن سے دوسروں کا دل دکھتا ہے اور کسی

کو تکلیف پہنچتی ہے۔ مثلاً کسی پر اعتراض کرنا اس پر چوٹیں کرنا، الزام لگانا، عیب ٹھونکنا اور اس کو شش میں رہنا کہ اس کو لوگ حقیر سمجھنے لگیں۔ ان ساری باتوں سے بھی تعلقات بگڑتے ہیں۔ اس لیے ان کو حرام کر دیا گیا ہے۔ یہاں ایک بات اور سوچنے کی ہے۔ یہاں جو الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں اس کا لفظی مطلب یہ نکلتا ہے کہ ”اپنے اوپر طعن نہ کرو“ اس سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ جو شخص دوسروں کو طعن دیتا ہے وہ دراصل خود اپنے کو طعن دیتا ہے ظاہر بات ہے کہ کوئی شخص اسی وقت کسی کو برا بھلا کہے گا جب اس کے دل میں اس کی طرف سے نفرت اور دشمنی خوب بھر چکی ہو۔ اس طرح وہ دل میں دشمنی پال کر اپنے آپ کو بُرائی میں مبتلا کر ہی لیتا ہے، اور پھر جس کے خلاف وہ اپنی زبان کھول رہا ہے گویا اسے بھی یہ دعوت دے رہا ہے کہ وہ بھی اسے برا بھلا کہہ سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سننے والا اپنی شرافت کی وجہ سے کچھ نہ کہے۔

پھر ایک اور ہدایت یہ فرمائی گئی کہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد نہ کرو۔ کسی کو ایسا نام نہ دو جو اسے ناگوار ہو اور اسے یہ محسوس ہو، کہ اسے حقیر سمجھا جا رہا ہے۔ مثلاً کسی کا کوئی جسمانی نقص ہے تو اسی کے مطابق اس کا نام رکھ لینا، جیسے کسی کو اندھا، لنگڑا یا کاناکھنایا اور کوئی ایسا نام رکھ دینا جس سے اسے ذلیل کرنا مقصود ہو۔ ہاں اگر نیت صاف ہو اور کسی کو ذلیل اور حقیر نہ سمجھ کر بلکہ اس کی پہچان بتانے کی خاطر اسے اس نام سے یاد کیا جائے تو جائز ہے۔ یعنی اگر کسی کی پہچان اس کے کسی خاص لقب سے ہوتی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ بس خیال یہ رکھنا چاہیے کہ کسی کو ایسے نام سے نہ پکارا جائے جو اسے پسند نہ ہو۔ جس سے



اس کی دلا زاری ہوتی ہو، یا جس سے اسے حقیر اور ذلیل سمجھا جائے۔

پھر فرمایا ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت ہی بری بات ہے۔  
مومن کے لیے یہ بات کسی طرح مناسب ہی نہیں ہے کہ مومن ہونے کے باوجود وہ بدزبانی اور بد اخلاقی میں نام پیدا کرے۔ اگر کوئی کافر کسی کی دلا زاری کرے، مذاق اڑائے اور دوسروں کو حقیر کرے تو یہ بات چاہے انسانیت کے لحاظ سے اچھی نہ ہو مگر اس کے کفر کو تزیین دیتی ہے۔ مگر وہ شخص جو اللہ، رسول اللہ و آخرت پر ایمان لے آیا ہو وہ ایسی ذلیل حرکتیں کرنے لگے تو یہ انتہائی شرمناک اور خراب حرکت ہے۔ سب کچھ بتا دینے کے بعد بھی اگر لوگ نہ سمجھیں تو وہ ظالم ہیں، خدائی ہدایات سے منہ موڑ کر وہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔

**گمان کرنے سے پرہیز کرو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ (الحجرات: ۱۲)

”اے ایمان لانے والو! بہت گمان کرنے سے بچو اس لیے کہ کچھ گمان گناہ ہوتے ہیں۔ کسی کا بھید نہ ٹٹولو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مرنے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ تمہیں خود اس سے گھن آتی ہے۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول

کرنے والا مہربان ہے ۛ

یہ آیت بھی پچھلی آیت کے ساتھ ہی ہے اور اسی سلسلے کی ہے اس میں بھی تعلقات کو خوشگوار بنانے کی ہدایتیں ہیں۔

پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ ”اے مومنو! تم بہت گمان نہ کیا کرو ۛ بالکل گمان کرنے سے تو نہیں، ہاں بہت گمان کرنے سے روکا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بعض گمان گناہ ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گمان کی بھی کچھ قسمیں ہیں۔ گمان اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی جسے حُسن ظن اور بدظن کہا جاتا ہے۔ کسی کے متعلق حُسن ظن بھی اگرچہ گمان ہے لیکن یہ پسندیدہ ہے۔ یہاں تو بدگمانی سے روکا جا رہا ہے جو گناہ ہے۔ اس لیے کسی کے متعلق کوئی گمان قائم کرنے سے اچھی طرح احتیاج تول کر دیکھ لینا چاہیے کہ جو گمان کیا جا رہا ہے وہ گناہ تو نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ جان لینا چاہیے کہ گمان کی کتنی قسمیں ہیں اور ہر ایک کی اخلاقی حیثیت کیا ہے۔

ایک قسم کا گمان وہ ہے جو اخلاق کی نگاہ میں بہت پسندیدہ ہے اور دین کی نظر میں بھی اچھا ہے۔ مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے نیک گمان رکھنا ہے اور اپنے ملنے جلنے والوں سے نیک گمان رکھنا، جن کے متعلق بدگمانی کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

دوسری قسم کا گمان وہ ہے جس سے عملی زندگی میں کام لینا ہی پڑتا ہے۔ مثلاً عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ جو شہادتیں پیش ہوتی ہیں ان کو جانچ گمان کی بنا پر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

گمان کی ایک تیسری قسم وہ ہے جو اگرچہ ہے تو بدگمانی لیکن اسے جائز کہا جا سکتا ہے۔ اس کا شمار گناہ میں نہیں ہوتا۔ مثلاً کسی شخص یا گروہ کی سیرت و کردار میں یا اس کے معاملات اور طور طریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں جن کی بنا پر وہ جس ظن کا مستحق نہ ہو، اور کوئی ایسی معقول و صبر بھی ہو جس کی بنا پر بدگمانی کی جا سکتی ہو۔ اس لیے اس کے متعلق گمان کیا جا سکتا ہے لیکن بس اس حد تک کہ اس سے معاملات کرنے میں احتیاط برتی جائے۔ اس سے آگے بڑھ کر محض گمان کی بنا پر اس کے خلاف کوئی کارروائی کر بیٹھنا صحیح نہیں ہے۔

گمان کی وہ قسم جو گناہ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی بغیر کسی سبب کے بدگمانی کرتا ہے یا دوسروں کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی ہی سے ابتدا کیا کرے یا ایسے لوگوں کے معاملہ میں بدظنی سے کام لے جو بظاہر نیک اور شریف ہوں۔ اسی طرح یہ بات بھی گناہ ہے کہ اگر کسی شخص کی کسی بات یا کام سے اچھائی بھی ظاہر ہوتی ہو اور برائی کا بھی امکان ہو تو ایسے موقع پر صرف بدگمانی سے ہی کام لینا گناہ ہے۔

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ گمان کرنا بعض حالات میں پسندیدہ ہے، بعض حالات میں گنجائش ہے، اور بعض حالات میں بالکل ہی ناجائز ہے۔

پھر فرمایا کہ کسی کے راز نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کے عیبوں کی فکر میں نہ رہو، دوسروں کے حالات اور ان کے بھیدوں کی ٹوہ نہ لگاؤ، یہ حرکت چاہے بدگمانی کی بنا پر کی جائے یا کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر، یا اور کسی غرض کے لیے بہر حال یہ ایک بہت بڑا عیب ہے۔ اور اس سے مومنوں کو بچنے کی ہدایت دی جا رہی ہے۔ یہ کام مومن کا نہیں کہ وہ دوسروں کے پوشیدہ حالات یا ان کے رازوں کی کھوج

کرید کرے یا دوسروں کی بُرائیاں اور عیب ٹٹولنے کی فکر میں رہے۔ یہ بہت بڑی بے اخلاقی ہے۔ ایسا بے اخلاقی شخص بھید ٹٹولنے ہی کی خاطر کسی کے ذاتی خطہ چھپ کر پڑھتا ہے۔ دو آدمی بات کر رہے ہوں تو کان لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ پڑوسیوں کے گھر میں بغیر اجازت جھانکتا ہے اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے وہ دوسروں کی ذاتی باتیں اور نجی معاملات جاننے کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ ان سب خراب حرکتوں سے بچتا رہے۔ صرف حکومت کو یہ اجازت ہے کہ اگر کسی شخص سے کسی جرم کا اندیشہ ہو یا بگاڑ کی کوئی اور علامت نظر آ رہی ہو تو وہ اس کے حالات کی تحقیق کرے اور اس کے لیے سی، آئی، ڈی کا انتظام ممنوع نہیں ہے۔

پھر غیبت یعنی پیٹھ پیچھے کسی کو بُرا کہنے سے روکا ہے۔ یہاں غیبت کرنے کو مَرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دینے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ کام بے حد گھناؤنا اور گندہ ہے۔ مردار کا گوشت کھانا خود ہی ایک گندی بات ہے۔ پھر وہ گوشت بھی کسی جانور کا نہیں بلکہ انسان کا اور انسان بھی اپنا بھائی۔ یہاں سوال یہ انداز میں جو یہ کہا گیا کہ کیا کوئی اسے پسند کر سکتا ہے؟ تو اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے دل سے پوچھے اور خود فیصلہ کرے کہ کیا وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کو تیار ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ یقیناً تمہیں اس سے گھن آئے گی اور یہ بڑی خراب بات ہے۔ اگر ایسا ہے تو بس تم اپنے مومن بھائی کی برائیاں کرنے سے بھی بچو۔ اس کی غیر موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ نہ کرو۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ مومنوں کو غیبت کرنے سے اس لیے روکا گیا کہ یہ عیب انسان کے اپنے لیے نقصان دہ ہے یہ ایک بڑا گناہ ہے اور

اس گناہ کا کرنے والا سزا بھی بھگتے گا۔ لیکن جس کی غیبت کی جا رہی ہے اس کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ اس بے چارے کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں اور کب اس کی برائی کی گئی۔ کون اس کے عیب بیان کر رہا ہے اس لیے اس غیبت سے اسے تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، لیکن اس کی عزت پر ضرور حروف آتا ہے۔ جو مثال یہاں دی گئی ہے اس میں مَرے ہوئے آدمی کا گوشت کھانا اس لیے حرام نہیں ہے کہ لے کر کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ مردہ شخص کو کی خبر کہ کون اس کی لاش نوچ رہا ہے، مگر ایسا کرنا کرنے والے کے لیے گھناؤنا کام ہے۔ اس لیے جس کی غیبت کی جا رہی ہے وہ اور مردہ شخص دونوں بے خبر ہوتے ہیں اور ان کا کچھ بگڑتا بھی نہیں۔

کچھ حالات ایسے ہیں جن میں غیبت کرنے میں بھی حرج نہیں ہوتا۔ اور طمانے انہیں جائز قرار دیا ہے۔ مثلاً

(۱) کسی شخص کے پیٹھ پیچھے یا اس کے مرنے کے بعد اس کی کوئی ایسی برائی بیان کرنا جس کی شریعت کی نگاہ میں ضرورت ہو۔

(۲) یا اگر کوئی کسی کے یہاں شادی کا پیغام بھیجے۔ جس کے یہاں پیغام جانے وہ اپنے اطمینان کے خاطر اس کے پڑوسی یا اس کے کسی ملنے جلنے والے سے اس کے چال چلن اور عادات و اطوار کے متعلق تحقیق کرنا چاہے اور مشورہ طلب کرے تو ایسے موقع پر اس کا عیب نہ چھپانا چاہیے۔ بلکہ اس کے متعلق جتنا بھی معلوم ہے صرف اتنا ٹھیک ٹھیک بتا دینا چاہیے۔

(۳) اور اسی طرح اگر کسی شخص میں کوئی ایسا عیب ہو جس کی وجہ سے اس کے ملنے جلنے والوں کو کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو ایسے موقع پر بھی جس کو اس کے عیب

کا علم ہو جائے تو اس کے لیے یہی ٹھیک ہے کہ وہ دوسروں کو بتادے۔  
(۴) اگر کوئی مظلوم کسی کے ظلم کی شکایت کرے تو بھی اس پر غیبت کا گناہ نہیں ہے۔

(۵) اصلاح کی نیت سے کسی شخص یا گروہ کی برائیوں کا ذکر ایسے لوگوں کے سامنے کیا جائے جن سے یہ امید ہو کہ وہ اس کی برائیوں کو دور کرنے کے لیے کچھ کر سکیں گے۔ یہ بھی جائز ہے۔

(۶) راویوں، گوہروں اور مصنفین کی کمزوریاں بیان کرنا جائز ہی نہیں واجب ہے۔ کیونکہ اگر ان لوگوں کی کسی کمزوری کا کسی کو علم ہو اور وہ بیان نہ کرے تو اس پر اس بات کا الزام آسکتا ہے کہ اس نے طالبان علم اور عوام کو غلط روایتوں اور غلط باتوں سے گمراہ کیا۔ جانتے ہوئے بھی انہیں آگاہ نہ کیا۔

ان مستثنیٰ صورتوں کے علاوہ پیٹھ پیچھے کسی کی برائی بیان کرنا حرام ہے اور بدترین گناہ ہے۔

پھر ہدایت فرمائی گئی کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ جن کے دلوں میں اللہ کا ڈر ہو اور آخرت کی پوچھ گچھ کی فکر ہو وہ نہ بدگمانی کریں گے نہ راز ٹٹولیں گے۔ اور نہ غیبت کریں گے۔ کیونکہ ان باتوں کو اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور اگر سب کچھ جان لینے کے بعد بھی عمل میں کوتاہی ہو گئی تو اللہ تو بہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے غلطی سے توبہ کر لی جائے۔ آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد کر لیا جائے تو اللہ اپنے بندوں پر اپنی رحمت کرتا ہے اس کی رحمت کے دروازے ہر ایک پر کھلے ہیں جو اپنے کیے پر نادم ہو، اور اللہ کی طرف پلٹ آئے اسے اللہ کی

رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔

## گناہ کی باتوں پر آپس میں کانٹا پھوسی نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِآلِائِمٍ وَ  
الْعُدَاوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا  
اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۚ إِنَّمَا التَّجَاوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ  
الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ بِضَرِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَعَلَى اللَّهِ  
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (المجادلہ: ۱۰، ۱۱)

”اے ایمان لانے والو! جب تم آپس میں چپکے چپکے باتیں کرو تو

گناہ، زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہ کیا کرو۔ تم تو نیکی اور تقویٰ

کی باتیں کرو، اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے سامنے تم سب جمع

کیے جاؤ گے۔ بے شک کانٹا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے اور وہ اس

لیے کی جاتی ہے کہ لوگ اس سے رنجیدہ ہوں، حالانکہ خدا کے حکم کے

بغیر وہ انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ

کرنا چاہیے۔“

اس آیت میں مومنوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب وہ آپس میں مل کر

بیٹھیں اور سرگوشیاں کریں تو وہ باتیں گناہ کی نہ ہوں کسی پر ظلم و زیادتی کرنے

کا چپکے چپکے مشورہ نہ کیا جائے۔ رسول کی نافرمانی کی اسکیم نہ بنے بلکہ آپس

میں بھلائی اور تقویٰ کے کاموں پر بات چیت کی جائے۔ کسی کے ساتھ حسد و

اور اس کو نفع پہنچانے کی باتیں ہوں اور رسول کی باتیں مان لینے پر ایک دفعہ سرے کو مشورے دیئے جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس کے جو آداب سکھائے ہیں اس سلسلے میں ایک حدیث ہے۔ ”جب تین آدمی بیٹھے ہوں تو دو آدمی آپس میں کھینچ کر نہ کریں کیونکہ اس سے تیسرے آدمی کو رنج ہوگا“ ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں ”دو آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں، مگر تیسرے سے اجازت لے کر۔ کیونکہ اس سے اُسے رنج ہوگا“

اس طرح یہ سرگوشیاں ناجائز ہیں۔ دو آدمی آپس میں چپکے چپکے باتیں کریں یا کسی ایسی زبان میں باتیں کرنے لگیں جسے وہاں بیٹھا ہو تیسرا آدمی نہ سمجھ سکے تو اسے یہ سوچ کر ضرور رنج ہوگا کہ شاید میرے ہی متعلق کوئی بات کی جا رہی ہے، مجھ سے چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ میری برائی بیان ہو رہی ہے۔ اس طرح ناگواری کا احساس ہوگا اور دل میں نفرت، غم اور غصہ کے جذبات پیدا ہوں گے اسی لیے اس طرح کی کاناپھوسی کو شیطانی کام قرار دیا گیا۔

پھر مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اگر اس ہدایت کے بعد بھی لوگ نہ مانیں اور سرگوشیاں کریں اور تمہیں یہ شبہ ہو کہ تمہارے ہی خلاف باتیں کی جا رہی ہیں تو تم رنجیدہ نہ ہوا کرو، اپنے دل میں غم غصہ اور نفرت پیدا نہ ہونے دو۔ تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لوگ تمہارے خلاف چاہے جو کچھ کریں اور کہیں لیکن جب تک اللہ کا حکم نہ ہو کچھ نہیں کر سکتے۔ تم یہ اعتماد اور یہ یقین اپنے دل میں رکھو، پھر تم دیکھو گے کہ



تمہارے دل کو ایسی قوت اور ایسا اطمینان حاصل ہوگا کہ بہت سے فضول اندیشوں اور خیالی خطروں سے تمہیں نجات حاصل ہو جائے گی۔ تمہیں پھر ان لوگوں کی باتوں کی پروا بھی نہ ہوگی اور تم بڑے اطمینان و سکون سے اپنے کام میں لگے رہو گے تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ جو مومن خدا پر توکل کرتا ہے اس کا سکون، اندیشہ اور گمان سے غارت نہیں ہوتا۔ وہ اتنا کم ظرف بھی نہیں ہوتا کہ شریعت پر غلط فہم کے لوگوں کے مقابلے میں آپے سے باہر ہو کر انصاف اور انسانیت کے خلاف حرکتیں کرنے لگے۔

### اپنی مجلس میں کشادگی پیدا کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (المجادلہ: ۱۱)

”اے ایمان لانے والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں

میں کھل کر بیٹھو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی کرے

گا۔ جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

اللہ ان لوگوں کے درجے بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے ہیں

اور جنہیں علم دیا گیا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔“

یہاں مجلس کے آداب سکھائے جا رہے ہیں۔ فرمایا مجلسوں میں اس طرح

جگہ چھوڑ کر بیٹھو کہ زیادہ لوگ بیٹھ سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس طرح پھیل کر بیٹھنے لگو کہ دوسروں کو تکلیف ہو اور تم زیادہ جگہ پر قبضہ کر لو۔ مجلسوں میں بیٹھتے وقت اگر تم فراخ دلی دکھاؤ گے، اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھو گے تو اس کے صلے میں اللہ بھی تمہارے دلوں کی تنگی کو دور کرے گا۔

یوں دیکھنے میں یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس سے انسانی فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو شخص دل کا تنگ ہو، اس کے ہر کام اور ہر بات سے تنگ دلی کا اندازہ ہوگا۔ وہ لوگ جو مجلسوں میں اس انداز سے بیٹھتے ہیں کہ دوسروں کو جگہ نہ ملے یا دوسروں کو تکلیف ہو تو ان کی اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ دل بہت تنگ ہے، وہ خود غرض ہیں، اس حکم کے ذریعے مومنوں کو بھی بتایا جا رہا ہے کہ وہ تنگ دلی سے بچیں۔

اب یہ حکم سامنے آتا ہے کہ جب کسی مجلس میں پہلے سے کچھ لوگ بیٹھے ہوں اور بعد میں مزید کچھ لوگ آئیں تو یہ تہذیب پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں ہونی چاہیے کہ وہ نئے آنے والوں کو خود سکڑ اور سمٹ کر جگہ دے دیں اور اتنی شائستگی بعد کے آنے والوں میں ہونا چاہیے کہ وہ زبردستی نہ گھسیں اور کسی کو اٹھا کر خود بیٹھنے کی کوشش نہ کریں۔

پھر فرمایا اگر تم سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو، ایسا نہ ہو کہ صدر مجلس تمہیں اٹھ جانے کو کہے اور تم اس کا کہنا ٹال دو۔ یہ آیت جس موقع پر نازل ہوئی اس کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن اصحابِ صفہ بیٹھے تھے کہ کچھ اہل بدر بھی آ گئے۔ ان لوگوں نے ان کو جگہ نہ دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

کچھ لوگوں کو اشارہ فرمایا کہ وہ اٹھ جائیں تو اس پر کچھ منافق لوگ بگڑنے لگے۔ ان کے اس غصہ کا جواب اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں دیتے ہوئے ہدایت کی کہ اگر تمہاری مجلس کا امیر یہ حکم دے کہ آنے والوں کے لیے جگہ دو تو کھٹ کر جگہ چھوڑ دیا کرو، اور اگر یہ حکم دے کہ کھڑے ہو جاؤ، تو کھڑے ہو جایا کرو کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب لوگ کھڑے ہو کر بیٹھتے ہیں تو جگہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر یہ حکم دیا جائے کہ اٹھ کر دوسری جگہ بیٹھو یا مجلس سے الگ ہو جاؤ تو تمہیں حکم کے مطابق کرنا چاہیے۔ لوگ حضورؐ کی مجلس میں آتے تو دیر تک بیٹھے رہتے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی ہوتی۔ اس لیے انہیں اٹھ جانے کو کہنا ہی پڑتا۔ اسی سلسلے میں یہ ہدایت کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کی مجلس کے آداب میں تو یہ باتیں بہر حال لازمی ہیں لیکن ویسے بھی ہر مجلس میں مجلس کے منظم کے حکم کی پابندی کرنا چاہیے کیونکہ وہ کسی مصلحت سے حکم دیتا ہے۔

اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں دوسروں کو جگہ دینے کی وجہ سے آپؐ نے تم کو اٹھا کر دُور بٹھا دیا تو یہ نہ سمجھو کہ تمہارا درجہ گر گیا۔ یا اگر کسی وجہ سے تمہیں اٹھ جانے کے لیے کہا گیا تو تمہاری ذلت ہو گئی، درجات کی بلندی کا ذلیعہ تو ایمان اور علم ہے۔ اس میں بڑائی نہیں ہے کہ کسی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب بیٹھنے کا موقع ملا اور کون زیادہ دیر تک آپؐ کے پاس بیٹھا رہا۔ مرتبہ تو اسی کا بلند ہوتا ہے جس نے ایمان اور علم کی دولت زیادہ پائی ہو۔ اگر کسی شخص نے زیادہ دیر بیٹھ کر اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دی تو اس نے جہالت کا کام کیا۔ صرف پاس بیٹھنے سے اس کا درجہ بلند نہیں ہو سکتا۔ درجات کی بلندی تو اسے نصیب ہوتی ہے جس نے آپؐ کی صحبت سے ایمان اور علم کا سرمایہ حاصل کیا اور وہ اخلاق سیکھے جو ایک مومن میں ہونا ضروری ہیں۔

احکام

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

وہ انہیں کامیاب دیکھنا چاہتا ہے۔

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اسی لیے اس نے ہر معاملے میں اپنے احکام کے ذریعے رہنمائی فرمائی ہے۔

اب انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ان ہدایات اور احکام پر عمل کر کے دنیا

و آخرت کی کامیابی حاصل کر لے۔

## قصاص لیا کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۚ أَلْحَرْ  
بِالْحَرْ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ  
شَيْءٌ فَأَتْبَاؤُا بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَّاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۚ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ  
مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ  
(البقرہ: ۱۷۸)

”اے ایمان لانے والو! تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص

کا حکم لکھ دیا گیا ہے آزاد آدمی نے قتل کیا تو آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے

غلام قتل کرے تو غلام ہی قتل کیا جائے۔ عورت قاتل ہو تو اسی سے قصاص

لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کو تیار

ہو تو بھلائی کے ساتھ خونبہا دینا چاہیے۔ قاتل کو لازم ہے راستی کے ساتھ

خونبہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔“

معاملات کو اچھے طریقے پر طے کرنے کے احکام بھی قرآن میں جگہ جگہ ملتے

ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا

ہے کہ تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ قصاص کا

مطلب ہے خون کا بدلہ۔ یعنی آدمی کے ساتھ وہی کیا جائے جو اس نے دوسرے

آدمی کے ساتھ کیا مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قاتل نے جس طریقے سے قتل کیا اسی طریقے سے اسے قتل کیا جائے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ جان لینے کا جو فعل اس نے مقتول کے ساتھ کیا وہی اس کے ساتھ کیا جائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس نے قتل کیا ہے اسی سے بدلہ لیا جائے، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام۔ خواہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہو جو قاتل ہے خدائی قانون کے مطابق اس کو قتل کیا جائے گا۔

یہ آیت دراصل جاہلیت کے اس طریقے کے خلاف نازل ہوئی ہے جو ان دنوں رائج تھا۔ اگر مقتول کوئی مشہور اور قبیلے کا معزز آدمی ہوتا اور اس کا قتل دوسرے قبیلے کے کسی ادنیٰ آدمی سے ہو جاتا تو صرف اس ادنیٰ آدمی کا قتل کافی نہ سمجھا جاتا بلکہ جب تک اس کی قوم کے کسی سردار یا کئی آدمیوں کی جان نہ لے لی جاتی قصاص کو مکمل نہ سمجھا جاتا۔ اور اگر کسی ادنیٰ آدمی کو کوئی بڑا آدمی قتل کر دیتا تو قصاص کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ انہی خرابیوں کو ختم کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔ مقتول کے بدلے میں صرف قاتل ہی کی جان لی جا سکتی ہے۔

قصاص کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کو تیار ہو تو بھلے طریقے پر خونبھا کا تصفیہ ہو جانا چاہیے اور قاتل کو چاہیے کہ راستی کے ساتھ خونبھا ادا کر دے یہاں ”بھائی“ کا لفظ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اور دوسرے شخص کے درمیان تپا ہے کیسی ہی دشمنی ہو مگر وہ ہے تو تمہارا انسانی بھائی۔ اس لیے اگر تم اپنے بھائی کی کسی غلطی کو معاف کر دو، انتقام نہ لو تو یہ تمہاری انسانیت ہے۔

اس آیت سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اسلامی قانون میں قتل تک کا معاملہ امانی نامے سے طے ہو سکتا ہے مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو معاف کر دیں۔ معافی کی صورت میں قاتل کو خونبہ ادا کرنا ہوگا۔ اور یہ خونبہ معروف طریقے پر ہونا چاہیے۔ اگرچہ شریعت نے اس کے بارے میں کوئی خاص قاعدہ مقرر نہیں کیا ہے لیکن پھر بھی یہ وہ معروف اور صحیح طریقہ ہے جسے ہر شخص اچھا سمجھتا ہے اور یہی عدل و انصاف ہے۔ اور یہ ذاتی ہمدردی کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ تو تمہارے رب کی طرف سے ایک طرح کی تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو زیادتی کرے یعنی قاتل کو خونبہ دینے میں مثال مٹول کرے اور مقتول کے وارث نے جو احسان کیا ہے اس کا بدلہ احسان فراموشی سے لے۔ یا مقتول کا وارث خونبہ وصول کرنے کے بعد پھر انتقام لینے کی کوشش کرے تو یہ ایک طرح کی زیادتی ہے، اور اس زیادتی کا بدلہ وہ دردناک عذاب ہے جو اسے مل کر رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا:-

در اصل قصاص کا طریقہ سوسائٹی کے لیے ایک زندگی بخشیے والا طریقہ ہے اگر تم قاتلوں کو یوں ہی چھوٹ دے دو گے تو اس خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس کے بعد وصیت کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

تمہارے اور پرورے فرض کیے گئے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ



عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ (البقرہ: ۱۸۲)

”اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح

تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو“

یہاں روزے کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب فرمایا ہے۔ اے مومنو! روزے تم پر بھی فرض کیے گئے ہیں، اسی طرح پہلے جتنے انبیاء تھے ان کے ماننے والے بھی روزے رکھا کرتے تھے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ تمام دعوتوں میں جس طرح اخلاق اور ایمان کی دعوت یکساں طور پر تھی۔ اسی طرح کچھ خاص خاص عبادتیں بھی تمام رسولوں کی شریعت میں ایک ہی جیسی تھیں، جیسے یہاں روزے کا حکم۔

روزہ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے ایک اہم عبادت ہے۔ روزہ سے انسان کے نفس میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔ خدا کے حضور عاجزی اور انکساری کی صفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ روزہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کے اندر خدا کا خوف اور نفس میں پاکیزگی پیدا ہو۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کی پابندی کرنا اس سے آجائے اب اپنا اپنا حال دیکھنا چاہیے۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی تو فاقے کرنے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔ جسم کو جلالنا اور گھلانا دینداری نہیں ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر سختی نہیں کرتا، اسی لیے تو بیماری اور سفر میں روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے۔ اس لیے کہ ان حالتوں میں اکثر انسان کے لیے بھوک پیاس ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ اللہ نے تو روزے کا حکم

اس لیے دیا ہے کہ دلوں میں تقویٰ اور نیکی پیدا ہو۔

اس آیت کے بعد جو آیتیں آرہی ہیں ان میں روزے کے مختلف احکام اور رمضان کی اہمیت کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد ہی ناجائز طریقوں سے ایک دوسرے کا مال کھانے کی ممانعت کا ذکر ہے۔

اللہ سے ڈرو، جو سود باقی ہے اُسے چھوڑ دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ هَ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ه وَإِن كَانَ دُونُ عَشْرَةٍ فَنظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ه وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ه وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ فَتَلْمِذُنَّ تَوْتَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ه (البقرہ: ۲۸۱ تا ۲۸۴)

» اے ایمان لانے والو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ سود تمہارا لوگوں

پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے ہو لیکن اگر تم نے

ایسا نہیں کیا تو بان لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف

اعلان جنگ ہے۔ اب بھی توبہ کر لو اور سود چھوڑ دو تو اصل لینے کے تم

حق دار ہو۔ نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ تمہارا قرض مندر تگ دست

ہو تو ہاتھ کھینچنے تک اسے مہلت دو اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے

بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ اس دن کی رسوائی اور مصیبت سے بچو جب کہ تم

اللہ کی طرف واپس ہو گئے وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا ۛ

اس سے پہلے متعدد آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اتفاق فی سبیل اللہ کی طرف مسلمانوں کو توہم دلائی ہے پھر اس کے فوراً ہی بعد سود خواری کی برائیاں بیان فرمائی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دل کو دولت کی بندگی سے آزاد رکھنے اور اللہ کی رضا پر اپنی محبوب چیزوں کو قربان کر دینے کی جو اتنی مسلسل اور زوردار تلقین کی جا رہی تھی وہ سود خواری کا ذکر کیے بغیر مکمل نہ ہوتی۔ صدقات اور خیرات سے جہاں دلوں میں پاکیزگی، نرمی اور تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ سود خواری سے سود لینے والوں کے دل میں نخل، خود غرضی، بے رحمی، سخت دلی اور دولت کی ہوس جیسی ذلیل صفات پیدا ہوتی ہیں، انسانیت کے جذبات دم توڑتے ہیں اور ایک دوسرے سے چھین چھپٹ کا باز اگر کم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ سود کا منہ مار دیتا ہے۔ اور صدقات کو پروان چڑھاتا ہے۔ بظاہر تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سود لینے سے پیش آرام کے ذرائع بڑھتے ہیں اور دولت خوب اکٹھی ہوتی ہے، اور خیرات نکالتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی نعمتیں سمٹ رہی ہیں مگر حقیقت میں یہ بڑا دھوکا ہے۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آخرت میں سود سے جمع کی ہوئی دولت تو وبال جان ہوگی ہی لیکن دنیا میں بھی یہ دولت کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی۔ وہ لوگ جو سود لیتے اور دیتے ہوں ان کی دولت سمٹ کر بس کچھ لوگوں کے قبضے میں آجاتی ہے۔ معاشرہ پریشان اور بد حال ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر ایک دن

سوسائٹی تباہی کا شکار ہو جاتی ہے اور پھر اس تباہی سے وہ لوگ بھی نہیں بچتے جن کے پاس سرمایہ اکٹھا ہوتا ہے۔

اب ذرا صدقات کو دیکھیے۔ آخرت میں تو ان کا ہر دان چڑھنا ضروری ہے ہی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ راہِ خدا میں دیا ہوا مال سات گنا کر کے دیا جائے گا لیکن دنیا میں بھی اس کے نتائج بہترین اور اس کی برکتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ ذرا تصور تو کیجیے ایسے معاشرے کا جہاں لوگ پابندی سے زکوٰۃ اور صدقات دیتے ہوں اپنے پریشان حال بھائیوں کا خیال رکھتے ہوں تو وہاں آپ دیکھیں گے کہ دولت کسی ایک جگہ اور کسی ایک طبقہ تک محدود نہیں ہے بلکہ سارے معاشرے میں بٹی ہوئی ہے، کوئی پریشان حال نہیں، ہر ایک کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں اور پھر ساتھ ہی ہر ایک کا دل خوش اور مطمئن ہے دولت کی کمی اور زیادتی سے آپس میں حسد، نفرت اور غصے کے بوجھ بات پیدا ہوتے ہیں معاشرہ ان سے بھی پاک ہے، سب بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔

آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سود ایک لعنت ہے، اللہ تعالیٰ نے سود اور صدقات دونوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ شخص انتہائی ناشکر اور اپنے رب کا انتہائی نافرمان ہے جو خدا کی دی ہوئی دولت کو اپنی ضرورت سے زیادہ سیٹ کر رکھے اور دوسرے مجبور و محتاج لوگوں سے بھی چھین لینے کی فکر میں رہے۔ اللہ کو تو وہ لوگ پسند ہیں جو غار قائم کریں اور زکوٰۃ دیں وہی آخرت میں اجر پائیں گے۔ سود خواری کی تمام برائیاں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرماتا ہے

اب کہا جا رہا ہے کہ اگر تم تو یہ کہو یعنی سود خواری کا جو کاروبار تم پھیلانے بیٹھے تھے اسے ختم کر دو تو تم اپنی اصل رقم بغیر سود کے واپس لے سکتے ہو۔ یہ تمہارا حق ہے اور حق کے بارے میں ہدایت یہ ہے کہ نہ تم کسی کا حق مارو اور نہ تمہارا حق مارا جائے۔ لیکن اگر تمہارا قرضہ مدت تک دست ہے یعنی وہ تمہارا قرضہ ادا نہیں کر سکتا تو اس پر ظلم نہ

کردہ۔ بلکہ اسے مہلت دو۔ لیکن اگر تم سمجھو تو یہ بات زیادہ اچھی ہے کہ تم اپنی اصل رقم بھی اسے صدقہ کر دو۔ یہاں یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے قرض لے اور ادا نہ کر سکتا ہو تو تم اسے مہلت دو۔ اسلامی حکومت میں اس آیت کو سامنے رکھ کر یہ حکم دیا جائے گا کہ قرض خواہ قرضدار کو مہلت دیں اور اگر وہ زیادہ تنگ دست یا مجبور ہو تو اس کا آدھا قرض یا پورا قرض معاف بھی کرایا جاسکتا ہے۔ اور یہ کام اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

اس آیت میں معاشرے کے باہمی تعلقات بہتر بنانے کے کیسے اچھے احکام ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے رحم دلی ہو، کسی کی مجبوری کو سمجھا جائے۔ اگر کوئی قرض ادا نہیں کر سکتا تو سود تو درکنار قرض بھی معاف کر دیا جائے گا۔ اور ایسا وہی کر سکتا ہے جسے اس دن کی رسوائی اور مصیبت سے بچنا ہو جب اللہ کی طرف لوٹنا ہے وہاں ہر شخص کو اس کی کی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور وہاں کسی پر ظلم نہ ہو گا۔ جو یہاں خدا کی خوشنودی کے لیے جان و مال کی نذریں پیش کر رہا ہے اس کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہوگی۔ وہ اس اجر سے محروم نہ رہے گا اور نہ کسی بدکار پر یہی زیادتی ہوگی کہ اس کے گناہوں سے زیادہ سزا دی جائے، وہ تو عدل و انصاف کا دن ہے۔

**کسی کو قرض دو تو لکھ لیا کرو**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكُتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ

يَكْتُبُ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِينَ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَالْيَتَامَى  
 اللَّهُ رَبُّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِينَ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا  
 أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُدْلِلُوا هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَ  
 اسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا جَاهِلِينَ  
 فَجَاهِلٍ وَامْرَأَتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشَّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا  
 فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى وَلَا يَأْبُ الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَ  
 لَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَى أَجَلِهِ ذَلِكَُمْ أَقْطَعُ عِنْدَ  
 اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً  
 تُدِيرُوهَا بَيْنَكُمْ فَلْيَنْصَحُوا لَكُمْ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا  
 إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفَعَّلُوا نَاسِيَةً  
 فَسَوْفَ يَكْفُلُهَا اللَّهُ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ  
 عَلِيمٌ (البقرة ۲۸۲)

”اے ایمان لانے والو! جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس  
 میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو فریقین کے درمیان انصاف کے  
 ساتھ ایک شخص دستاویز لکھ لے جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی صلاحیت  
 بخشی ہو اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص  
 کرائے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا) اور اسے اپنے رب سے  
 ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر  
 قرض لینے والا خود نادان یا کمزور ہو یا املا نہ کر سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف

کے ساتھ اٹھا کر اٹے پھر اپنے مرڈوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی  
 کرا لو اور اگر دو مرو نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں تاکہ ایک بھول جائے  
 تو دوسری اسے یاد دلائے یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں،  
 جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو۔ گواہوں کو حجب گواہ بننے کے  
 لیے کہا جائے تو انکار نہ کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا میعاد  
 کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں سستی نہ کرو اللہ کے  
 نزدیک یہ طریقہ تمہارے لیے زیادہ مٹنی بر انصاف ہے اس سے شہادت  
 قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمہارے شکوک و شبہات میں مبتلا  
 ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم  
 لوگ آپس میں کرتے ہو اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ مگر تجارتی  
 معاملے طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستیانہ جائے۔  
 ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے۔ اللہ کے غضب سے بچو وہ  
 تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔

سود کی بحث کے بعد اب قرض کے لین دین کے سلسلے میں بحث کی جا رہی ہے۔  
 جب سود کا لین منع فرما دیا گیا تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کیا کریں؟ قرض پر  
 روپے لینے اور ادھار کچھ خریدنے کی ضرورت تو رہتی ہی ہے، یہ معاشرے کی  
 اہم ضرورت ہے، اس کے بغیر لوگ اپنی ضروریات کیسے پوری کر سکتے ہیں، سود  
 نہ ہو تو پھر لین دین کیسے ہو؟ اگر سود کو حرام قرار دیا گیا تو پھر اس کی جگہ کون سا نظام  
 رائج ہو اسی سوال کا جواب کچھ آیت میں دیا گیا۔ اور اس آیت میں بھی دیا جا رہا ہے۔



پہلی آیت میں تو یہ بتایا گیا کہ اسلامی نظام حیات کے لیے ضروری ہے کہ معاشرہ میں ہمدردی اور ایثار پیدا ہو، سود تو درکنار لوگ اپنا اصل حق بھی دوسروں کی مجبوریوں کا خیال کرتے ہوئے چھوڑ دیں۔ اس لیے کہ اسلام تو خود غرضی سے پاک اور ہمدردی اور ایثار کی صفات سے آراستہ ذہن بناتا ہے وہ کہتا ہے کہ اپنے قرضداروں کو آسانی دو، ہو سکے تو قرض معاف کر دو، تاکہ آپس میں بھائی چارہ اور ہمدردی کے جذبات پر دان چڑھیں۔ یہ اس نظام کا اخلاقی پہلو تھا۔ اب قانونی طور پر وہ کہتا ہے کہ جب تم کسی مقررہ مدت کے لیے قرض کا معاملہ کر دو تو لکھ لیا کرو۔ یعنی قرض لینے والا یہ طے کر دے کہ کب تک قرض واپس کرے گا اور یہ بات لکھ بھی لینا چاہیے۔ عام طور سے یہ بات اچھی نہیں سمجھی جاتی کہ قریبی عزیزوں یا بے تکلف دوستوں میں قرض کا معاملہ ہو تو باقاعدہ اسے لکھا جائے، گواہی ہو اور دینے کا وقت پہلے طے کر دیا جائے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو اسے بے اعتمادی کی دلیل اور دوستی کے خلاف سمجھا جاتا ہے، لیکن اس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ قرض اور تجارتی معاملات کو لکھ لینا چاہیے اور اس پر گواہی بھی کر لینا چاہیے۔ ایسا کرنا معاملات کی صفائی کے لیے بہت اچھا ہے۔ عام طور سے دوستانہ اعتماد کی وجہ سے بغیر کچھ طے کیے قرض کا لین دین ہو جاتا ہے، اور ایسا کرنے کو بے تکلفی اور دوستی سمجھا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی اس کا نتیجہ بڑا ناگوار ہوتا ہے، جتنی دوستی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ دشمنی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اللہ کا حکم مانتے ہوئے جو لوگ معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور بعد کے جھگڑوں سے بچنے کے لیے سارے معاملات لکھ کر گواہیاں ثبت کر لیتے

ہیں وہ بڑے فائدے میں رہتے ہیں۔ اس کو معیوب نہ سمجھنا چاہیے، یہ ایک اخلاقی لصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کی ہے۔

پھر فرمایا کہ جسے اللہ نے پڑھنا لکھنا سکھایا ہے جس پر اللہ کا فیض ہے کہ اسے علم کی دولت دی گئی ہے تو اس کا اخلاقی فرض ہے کہ جب اللہ کے دوسرے بندوں کو اس کے علم کی ضرورت پڑے یعنی کسی کو قرض کا لین دین لکھوانا ہو تو وہ لکھ دے۔ اگر وہ ایسے وقت پڑھنے لکھنے سے بچے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہوگی اور بندوں کا حق مارنے کا جرم اس کی گردن پر رہے گا۔ ایسے موقع پر اگر قرض لینے والا لکھنا نہ جانتا ہو تو وہ کسی بڑے لکھے آدمی کو املا کرادے۔ اس موقع پر قرض خواہ اور قرضدار دونوں موجود ہوں۔ یہاں جو یہ حکم دیا گیا کہ املا کرانے کا حق قرضدار کو ہے تو اس میں بھی ایک اہم بات ہے اس لیے کہ قرض لینے والا مجبور اور ضرورت مند ہوتا ہے اور قرض دینے والا بے نیاز ہوتا ہے اس موقع پر قرض دینے والے کی طرف سے ظلم اور زیادتی کا امکان ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود دونوں کو خدا ترسی اور دیانتداری سے کام لینے کی ہدایت کی گئی ہے اور پھر یہی نہیں ہر بات کھول کھول کر اچھی طرح سمجھائی گئی ہے۔ مثلاً اگر قرض لینے والا لین دین کی بات خود بھی نہ لکھ سکتا ہو اور بول کر کسی سے لکھوا بھی نہ سکتا ہو یعنی گونگا ہو، تو اس کے ولی کو چاہیے کہ پورے انصاف کے ساتھ لکھوا دے اور پھر اس دستاویز پر دو آدمیوں کی گواہی کرالینا چاہیے۔ اگر وہ مرد وہاں موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں، یہ گواہی ایسے ہونے چاہئیں جنہیں دونوں پسند نہ کریں۔ یعنی جن کی سچائی اور ایمانداری پر دونوں کو بھروسہ ہو ایک مرد

کے بجائے دو عورتوں کی گواہی اس لیے ضروری ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلادے۔ یہاں معلوم ہوا کہ کاروباری یادداشتوں کی صفت میں عام طور سے عورتیں مردوں سے کمتر ہوتی ہیں اسی وجہ سے دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہیے۔ گواہوں کو بھی یہ ہدایت ہے کہ جیب ان سے گواہی کے لیے کہا جائے تو وہ انکار نہ کریں معاملہ کی دستاویز پر مدت ضرور مقرر ہونا چاہنا چاہیے چاہے لین دین کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اللہ نے اسی طریقے کو انصاف کا طریقہ کہا ہے۔ اس طرح کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ عام طور سے لوگ سوچتے ہیں کہ چار چھ روپے اگر کسی نے قرض لیے تو کیا ہوا، دستاویز اور گواہیوں کے جھگڑے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن ایسا سوچنا غلط ہے۔ یہی باتیں جنہیں معمولی سمجھا جاتا ہے کبھی کبھی خطرناک جھگڑوں اور رنجش کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اس لیے اس موقع پر وہی کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، تاکہ کسی طرح کا کوئی شبہ نہ رہے اور معاملہ صاف رہے، تعلقات بھی نہ بگڑیں۔

پھر فرمایا کہ اگر قرض کے بجائے نقد سودا سو جس کا ہاتھوں ہاتھ لین دین ہو رہا ہو یعنی ادھر رقم دی ادھر سودا خریدا لیا۔ کسی طرح کا لینا دینا باقی نہ رہا تو یہ بات اگر نہ بھی لکھی جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے جس طرح اسجکل کش میو لکھنے کا رواج ہے جس میں ہر فروخت کی ہوئی میز اور لی ہوئی رقم تحریر ہوتی ہے، تو یہ بہتر ہے۔ ویسے اگر نہ بھی لکھی جائے تو اس میں ہرج نہیں۔ اور اگر ایسے سودے کے وقت بھی اچھا ہے کہ گواہ موجود رہے تاکہ اختلاف اور جھگڑے کا جو ملکا سا امکان رہ جاتا ہے وہ بھی نہ رہے۔

اس کے بعد یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ خبردار کسی دستاویز لکھنے والے کو یا گواہ کو اس لیے نہ ستایا جائے کہ اس نے لکھتے وقت اس کی طرفداری کیوں نہیں کی، یا کسی گواہ نے ایسی سچی شہادت کیوں دی جس کی وجہ سے معاملہ اس کی خواہش کے مطابق نہ ہو سکا، یہ بھی گناہ ہے کہ کوئی خود جھوٹ اور بددیانتی سے کام لے اور یہ بھی گناہ ہے کہ دوسروں سے ایسا کرنے کی خواہش رکھے۔ یہاں اس گناہ سے مومنوں کو روکا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں۔ کیونکہ جب اللہ کا تقویٰ اختیار کریں گے تو گناہوں سے باز رہیں گے۔ سچ ہے اللہ تو اپنے بندوں کو صحیح اور ٹھیک طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اسے ہر چیز کی خبر ہے۔

وہ جو ہدایتیں بھی دے رہا ہے تمہاری بھلائی کے لیے دے رہا ہے اگر تم ہدایت حاصل کرو گے تو کامیاب ہو گے لیکن اگر تمہیں اس کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنا مشکل معلوم ہو رہا ہے تو یہ تمہاری جہالت ہے اور تم اس طرح اپنی دنیا و آخرت کو خود تباہ کر رہے ہو۔

## سود مت کھاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبُطْءِ الضَّعَافُ مَضَعَةٌ ۚ وَ اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۚ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۚ وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ اتَّبِعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۚ (آل عمران: ۱۳۰ تا ۱۳۲)

» اے ایمان لانے والو! یہ بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو

امید ہے کہ فلاح پاؤ گے اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی

سہ ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کو دایمہ ہے تم پر رجم کیا جائے گا۔  
 سود خواری کی مخالفت میں یہ حکم بہت واضح ہے یہاں سود کو صاف الفاظ میں  
 حرام ٹھہرایا گیا ہے۔ سود خواری ایک ایسا زہر ہے جس سے معاشرے میں بہت سی  
 بیماریاں اور اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص، لالچ، کنجوسی، خود غرضی  
 پیدا ہوتی ہے۔ اور دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض و حسد پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب  
 خرابیاں اسلامی معاشرے کے لیے موجب ہلاکت ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں  
 سے فرمایا کہ یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اس لیے کہ اس سے دولت کی محبت اور  
 لالچ پیدا ہوتا ہے اور اخلاق گرتے جاتے ہیں۔ سود خواری سے تو انسان ہر وقت  
 اپنی دولت کے بڑھنے چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے، اور دولت کی یہ ہوس اتنی بڑھتی  
 ہے کہ پھر وہ اخلاق اور کردار کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے، خدا کو بھول جاتا ہے  
 اور اسے بڑی سے بڑی برائی کرنے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔

ارشاد فرمایا گیا اللہ سے ڈرو۔ ظاہر ہے جس کے دل میں اللہ کا ڈر ہو، اس  
 کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہو تو وہ اس طرح کے برے اعمال کو ہی نہیں سکتا،  
 اسی لیے قرآن پاک میں جگہ جگہ اللہ سے ڈرتے رہنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی  
 ہدایت دی جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد انسان ہر برائی سے بچ سکتا ہے اور جس کے  
 دل میں اللہ کا تقویٰ ہو اسی سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ آخرت میں کامیاب  
 ہو سکے گا۔ اور اللہ کی رحمت اور اس کے اجر کا مستحق ہو سکے گا۔

اب تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی  
 ہے یعنی احکام اور ہدایتوں کی خلاف ورزی کرنا تو کافروں کا طریقہ ہے، کہیں ایسا

نہ ہو کہ جہنم میں تم ان کے ساتھ ہو۔ جو جو عذاب ان کے لیے تیار ہوئے ہیں اس میں تم بھی شریک ہو جاؤ۔ یقیناً یہ ایک تباہی ہے۔ اگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو تو پھر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، جو احکام اور ہدایتیں تمہیں ملی ہیں ان پر عمل کرتے رہو تو اس بات کی توقع ہے کہ تم پر رحم کیا جائے اور تم جہنمیوں جیسا انجام بھیگتے سے محفوظ رہو۔

### نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدًا مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لِمَسْتُمُ النِّسَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا (النساء: ۴۳)

”اے ایمان لانے والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز

- کے قریب نہ جاؤ۔ (نماز اس وقت پڑھنی چاہیے) جب تمہیں خبر ہو کہ کیا کہہ رہے ہو، اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک غسل نہ کر لو الّا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو۔ اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کے بعد آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اس

مے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر دے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا

اور بخشش فرمانے والا ہے۔“

اس آیت میں مومنوں کو کئی احکام دیئے گئے ہیں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ اس حکم سے شراب سے پرہیز کی بھی ہدایت مل رہی ہے۔ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو یہی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، اس بے خبری میں تو وہ کچھ کا کچھ بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز اسی وقت پڑھنا چاہیے جب انسان جو کچھ کہے سمجھ کر کہے، اسے یہ پتہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کی حالت میں بھی نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ نمازیں آدمی کو اتنا ہوش رہنا چاہیے کہ وہ یہ جانے کہ زبان سے کیا کہہ رہا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جانا چاہیے یہ ناپاکی ہے، جب تک غسل نہ کیا جائے اس حالت میں نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر ایسا ہو کہ راستے سے گزرتے ہوئے یہ شکل پیش آجائے کہ پانی نہ مل سکتا ہو تو اس میں رعایت ہے۔ یہ تو بغسل کا حکم۔ اب وضو کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے اگر تم ایسے بیمار ہو کہ وضو کرنا نقصان دہ ہو، یا تم سفر میں ہو جہاں پانی نہ مل سکے اور وہاں تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو۔ ان صورتوں میں اگر پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کر سکتے ہو، اور تیمم کی صورت یہ ہے کہ تم پاک مٹی سے اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ اللہ تو نرمی کرنے والا اور مہربان ہے۔

اس ہدایت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر آدمی بے وضو ہے یا غسل کی صورت ہے اور پانی نہیں ملتا تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر بیمار ہے اور غسل اور وضو سے نقصان کا ڈر ہے تو پھر پانی ہونے کے باوجود بھی تیمم کیا جاسکتا ہے۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر پیچیز لینے سے طہارت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان پانی کا استعمال نہ کر سکتا ہو تو پاکیزگی کا احساس پیدا کرانے کے لیے یہ ایک بہترین تدبیر ہے۔

### بندشوں کی پابندی کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ  
الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُشْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ  
إِنَّ اللَّهَ يُحْكُمُ مَا يُرِيدُ (المائدہ: ۱)

”اے ایمان لانے والو! بندشوں کو پورا کرو، تمہارے لیے جو بایوں کی قسم کے سب جانور حلال کر دیئے گئے سوائے ان کے جو آگے تمہیں بتائے جائیں گے۔ لیکن احرام کی حالت میں شکار حلال نہیں ہے۔ بے شک اللہ وہی حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔“

سورہ مائدہ کی یہ سب سے پہلی آیت ہے۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی حدود اور قیود بیان فرمائے ہیں جو خدا کی شریعت میں مسلمانوں پر عائد کی گئی ہیں۔ اس لیے سب سے پہلی ہدایت یہی ہے کہ تم ان تمام بندشوں کو پورا کرو جو



آگے بیان کی جا رہی ہیں۔

سب سے پہلا حکم یہ دیا گیا کہ تمہارے لیے انعام یعنی مولشی حلال کیے گئے۔ انعام کا لفظ عربی میں اونٹ، گائے، بھینٹ اور بکری کے لیے بولا جاتا ہے۔ تو گویا یہ تمام مولشی حلال ہیں ان کا ذبح کر سکتے ہیں لیکن کچھ جو پائے جانور ایسے بھی ہیں جو حلال نہیں ہیں۔ ان کا بیان آگے کی آیتوں میں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا کہ تمہارے لیے یہ چیزیں حلال تو ہیں لیکن احرام کی حالت میں ان کا شکار بھی جائز نہیں ہے۔ احرام اس سادہ اور فقیرانہ لباس کو کہتے ہیں جو کعبہ کی زیارت کے وقت پہنا جاتا ہے۔ اس لباس کو احرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پہننے کے بعد بہت سی وہ چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں حلال ہیں۔ ان ہی پابندیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی جاندار کو ہلاک نہ کیا جائے، نہ شکار کیا جائے اور نہ کسی کو شکار کا پتہ بتایا جائے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لا کر تم نے جو ذمہ داری اٹھائی ہے، اللہ سے جو عہد و پیمان کیا ہے اسے پورا کرتے نہ ہو۔ ایمان لانے کا مطلب یہی تو ہے کہ مومن اسلام کے تمام حلال و حرام کو قبول کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ کلمہ پڑھتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بندہ اپنے رب سے یہ عہد کر رہا ہے کہ جو چیزیں میرے لیے حلال کی گئی ہیں انہیں حلال سمجھوں گا۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آج سے اسے عبادت صرف اللہ کی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو بھی حکم ہو گا وہ اسے بجالائے گا۔ اب خدائی اللہ کی ہے، قانون اللہ کا ہے۔

حکم اسی کا ماننا ہوگا۔ ایک دو باتوں میں نہیں بلکہ زندگی کے سارے معاملات میں اسی کی فرمانبرداری کی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسے ہر بات پر اختیار ہے، اور مومن وہ ہے جو اس کے ہر حکم پر سمجھ کر سر جھکانا رہے کہ یہ اس کے مالک کا حکم ہے، جو چیز حرام کر دی گئی وہ اس لیے حرام ہے کہ اس کے مالک نے حرام کی ہے، خدا ساری چیزوں کا مالک ہے، ساری دنیا اسی کی ہے، اب اس میں سے جس چیز کو وہ چاہے حلال کر دے اور جس چیز کو چاہے حرام کر دے۔ جس کام کو چاہے جائز ٹھہرا دے اور جس کو چاہے ناجائز ٹھہرا دے۔ بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اس کے ہر حکم پر سر اطاعت جھکانا رہے۔

### ندامتی کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَجْلُوا شَعَائِعَ اللَّهِ وَلَا الشُّعْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِثِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن تَوْحِيدِ رَبِّكُمْ وَرِضْوَانًا وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَن صَدَّقْتُم عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدہ: ۲۵)

”اے ایمان لانے والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، نہ

حرام مہیلوں کی، نہ قربانیوں کی، نہ ان لوگوں کی جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکانِ محترم رکعبہ کی طرف جا رہے ہوں۔ ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو نعم شکار کر سکتے ہو۔ اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجدِ حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا نہ بھڑکاوے کہ تم بھی ان کے مقابلے میں بے جا زیادتی کرنے لگو، جو کام نیکی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور گناہ کے کاموں میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو اس کی سزا بہت سخت ہے۔“

ہر وہ چیز جس سے کسی مذہب، عقیدے یا نظام کا انداز و اطوار سوچنے سمجھنے کا طرز اور عمل کا طریقہ ظاہر ہوتا ہے وہ اس کا شعار کہلاتی ہے کیونکہ وہ اس کی علامت اور نشانی کا کام دیتی ہے جس طرح سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس کے یونیفارم، سکے اور نوٹ حکومتوں کے شعار ہیں۔ گرجا، قربان گاہ اور صلیب عیسائیوں کے شعار ہیں۔ چوٹی، زنار اور مندر برہمنوں کے شعار ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے شعار جو اپنے اپنے پیروؤں کے لیے مخصوص ہوتے ہیں اور پھر پیر و دل کا فرق یہ ہوتا ہے کہ وہ ان شعار کا احترام کریں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام میں رہتے ہوئے اس کے شعار کی توہین کرتا ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ باغی ہے اسی لیے مومنوں کو بڑی تاکید سے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہیں اس لیے ”شعار اللہ“ کا بھی احترام کریں۔

”شعار اللہ“ سے مراد وہ تمام علامتیں اور نشانیاں ہیں جو شرک اور

کفر سے ہٹ کر خدا پرستی کے لیے خاص ہیں۔ یہ خدا پرستی کی علامتیں جہاں کہیں بھی اور کسی بھی مذہب میں پائی جائیں قابل احترام ہیں۔ کوئی شخص چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اس کے عقیدے اور عمل میں کوئی چھوٹی سی بات بھی ایسی ہے جو خدا کی عبادت اور اس کی بندگی میں داخل ہو تو وہ اس چھوٹی سی بات کے لحاظ سے مسلم ہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے اس کی اس بات سے موافقت کریں۔ اگر خدا پرستی کی کوئی بھی علامت اس کے مذہب میں ہے تو اس حد تک اس بات سے اختلاف نہ کریں۔ مخالفت اس بات کی نہیں ہوتی کہ وہ خدا کی عبادت کیوں کر رہا ہے، بلکہ اصل اس بات کی ہوتی ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسروں کی بندگی کو کیوں شریک کر رہا ہے۔

یہ بات سامنے رکھنا چاہیے کہ شعائر اللہ کے احترام کا یہ حکم اس زمانے میں دیا گیا تھا جب مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ تھی، عرب کے ہر حصے سے مشرکین حج و زیارت کے لیے کعبہ کی طرف جاتے اور ساتھ ہی خدا کے دربار میں نذرانہ دینے کے لیے اپنے ساتھ جانور لے جاتے۔ ان میں سے بہت سے قبیلے ان راستوں سے گذرتے تھے جو مسلمانوں کے قبضے میں تھے مشرکین سے دشمنی تو چل ہی رہی تھی اس لیے یہاں اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں مسلمان ان لوگوں کو نہ ستائیں اس لیے فوراً یہ ہدایت نازل کی گئی۔ مشرکوں کا حج و زیارت کے لیے کعبہ جانا اور وہاں قربانی کرنا اسلام کی تعلیم کے موافق تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان لوگوں کے ان کاموں کو ابھی نظر سے دیکھیں، ان کی موافقت کریں اور جب یہ حج کو جوار ہے ہوں تو انہیں نہ چھیڑیں۔ اسی لیے حج کے مہینوں میں ان پر حملہ کرنے

سے بھی روک دیا گیا۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب چاروں محترم مہینے قرار دیئے گئے، کیونکہ ان مہینوں کا تعلق حج اور عمرہ سے ہے۔ ان محترم مہینوں کی بے حرمتی سے منع فرما دیا گیا۔ اگر کوئی ان دنوں میں لڑائی جھگڑا کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے ان حرام مہینوں کو اپنے لیے جائز کر لیا اور ان کی بے حرمتی کی۔

اب آگے تمام احکام شعائر کے متعلق دیئے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شعائر میں سے کچھ کے نام بھی گنا دیئے ہیں۔ یہاں اس طرح بیان کرنے کا مطلب یہی تھا کہ حالات خراب تھے، دنوں میں دشمنی بھری ہوئی تھی۔ یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمان جنگ کے جوش میں آکر اللہ کے شعائر کی توہین نہ کر ڈالیں، اسی لیے فوراً یہ ہدایت دی گئی۔

سب سے پہلے تو محترم مہینوں کی بے حرمتی کرنے سے روکا گیا۔ ان مہینوں میں لڑائی جھگڑا احرام قرار دیا گیا تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی لپیٹ میں کوئی ایسا شخص آجائے جو حج یا قربانی کے ارادے سے جا رہا ہو۔

پھر فرمایا گیا کہ ہدی بھی شعائر اللہ میں سے ہیں اور قابل احترام ہیں۔ ہدی قربانی کے ان جانوروں کو کہتے ہیں جو ہدیہ کے طور پر خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے کھد لے جائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی قلائد کا لفظ بھی فرمایا گیا۔ قلائد قلاہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پٹہ۔ قربانی کے جانوروں کو مخصوص کرنے کے لیے ان کے گلے میں پٹہ ڈال دیا جاتا تھا۔ اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ پٹے والے تمام جانور شعائر اللہ میں سے ہیں اور احترام کے قابل ہیں۔ یعنی یہ تو اللہ کے راستے میں قربان کرنے کے لیے لے جائے جا رہے ہیں، اور یہ اسلام کے عین موافق ہے، اس لیے انہیں بھی محترم

سمجھو، ان پر حملہ کرنا شعائر اللہ کی توہین کرنا ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ اے مومنو! تمہیں یہ حق نہیں ہے کہ تم ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں کعبہ کی طرف جا رہے ہوں، چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن رب کے فضل کی تلاش میں گھر سے نکلنا اس کی تعلیم کے موافق ہے اور اللہ کو پسند ہے۔ اس لیے ان لوگوں کا یہ عمل شعائر اللہ میں سے ہے، ایسے لوگوں کو نقصان پہنچانا شعائر اللہ کی توہین کرنا ہے جو مسلمان کے لیے کسی طرح مناسب نہیں۔ آگے ہدایت فرمائی گئی کہ جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو تم شکار کر سکتے ہو۔ ابھی اس سے پہلے کی آیت میں بتایا گیا تھا کہ احرام کی حالت میں فلاں چیزیں بھی حرام ہو جاتی ہیں اور ان کا شکار جائز نہیں ہوتا۔

اسی طرح یہاں کچھ مزید شعائر اللہ بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا کہ احرام کی حالت میں اور محترم ہدینوں میں یہ سب بھی منع ہیں، لیکن ان کا تعلق صرف احرام کی حالت سے ہے۔ احرام سے باہر آ جانے کے بعد یہ ممانعت باقی نہ رہے گی۔

پھر فرمایا کہ کافروں نے تمہیں کعبہ کی زیارت سے روک کر بڑی زیادتی کی ہے۔ عرب کے عام دستور کے خلاف مسلمان حج سے محروم کر دیئے گئے تھے اور اسی کا غم و غصہ مسلمانوں میں موجود تھا۔ اس لیے مسلمانوں نے سوچا کہ جو کافر قبیلے ہمارے علاقے سے گزرتے ہیں ہم ان سے بدلہ لیں گے اور انہیں حج سے روک دیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں ان کے ارادے سے باز رکھا اور ایسی نامناسب زیادتیاں کرنے سے روک دیا۔ اس کا شمار شعائر اللہ میں کیا تاکہ مسلمان پھر اس کا خیال تک نہ لائیں۔ اسی بات پر زور دینے کے لیے ان الفاظ سے ہدایت

کی کہ اللہ نے جس گروہ کو نیکی اور تقویٰ قائم کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کا کام یہ نہیں کہ وہ دوسروں کے بے جا سلوک سے غصہ میں آجائے، اور خود بھی اسی طرح کی زیادتیاں کرنے لگے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون کیا۔ بُرائی اور دشمنی کو ختم کرنے کے بجائے اور زیادہ بڑھا دیا۔ مومنوں کے لیے پسندیدہ کام یہ ہے کہ اگر کوئی ان کے ساتھ نیکی کرے تو وہ ضرور اس پر تعاون کریں، یعنی اس سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر نیکی کے کام میں حصّہ لیں۔ لیکن اگر کسی نے ان کے ساتھ برائی کی ہے تو پھر انہیں چاہیے کہ اس پر تعاون نہ کریں۔ گناہ کے کاموں میں اس سے بڑھ کر ہرگز حصّہ نہ لیں بلکہ اس موقع پر بھی ان کی طرف سے نیکی ہی ہونا چاہیے۔

مومنوں کے ایمانی دعویٰ کا مطلب یہی تو ہے کہ وہ شعائر اللہ کی پابندی و احترام اور اس کے تمام حکموں کی اطاعت کا وعدہ کر رہے ہیں، وہ نیکی اور تقویٰ کے علمبردار بن کر اُٹھے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ نفرت اور دشمنی کے جذبات سے متاثر ہو کر نیکی اور تقویٰ کے خلاف کچھ کر بیٹھیں۔ دوسروں کے غلط رویے سے متاثر ہو کر خود بھی اسی میں شریک ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی پیدا کی ہوئی برائی میں ان کے ساتھ تعاون کیا جا رہا ہے اور اس برائی کو بڑھا دیا جا رہا ہے اگر ایسا ہوا تو پھر اہل ایمان دوسروں سے کس طرح ممتاز ہو سکیں گے۔ اہل ایمان کا کام تو یہ ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں، اور اگر ایسا نیک کام دشمن کے ہاتھوں بھی ہو رہا ہو تو اسے برا نہ سمجھیں، بلکہ اس کا حوصلہ بڑھائیں اور

اس بات پر خوشی محسوس کریں کہ دشمن ہی سہی مگر کام تو نیکی کا ہے۔ اور ظاہر ہے جس کی یہ تمنا ہو کہ دنیا میں نیکیاں پھیلیں اور برائیاں ختم ہو جائیں تو اسے اپنی تمنا پوری ہونے کی فکر رہے گی چاہے دشمن کے ہاتھوں پوری ہو یا دوست کے ہاتھوں، اس کی وہ فکر نہ کرے گا۔

سب کچھ اچھی طرح بتا دینے کے بعد اب مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ دیکھو اگر اب بھی شعائر اللہ کی بے حرمتی کی اور مومن ہونے کے باوجود ایمان کے تقاضوں کو پورا نہ کیا تو آخرت کا عذاب بہت سخت ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو، اپنے انجام کی فکر کرو، اپنے آپ کو اس سخت عذاب سے بچاؤ جس سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے۔

وضو اور تیمم کا طریقہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا  
وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ  
وَأَنْجِلْكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ  
مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ  
النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا  
بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ  
مِّن حَرَجٍ وَلَئِنْ يُرِيدُ لِيُطْرِقَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ  
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥ (المائدہ: ٦)



» اے ایمان لانے والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے چہرے دھو لو اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر ہاتھ پھیر لو۔ اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو۔ اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لو، اس پر ہاتھ مار کر اپنے چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو۔ اللہ تم پر زندگی کو تنگ نہیں کرنا چاہتا، مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے شاید کہ تم شکر گزار بنو۔

اس آیت میں بھی کئی احکام ہیں۔ سب سے پہلے یہ بتایا گیا کہ جب تم نماز پڑھنے کی تیاری کرو تو وضو کر لیا کرو، اور وضو کے طریقہ اور بتا دیئے گئے۔ وضو کا حکم دراصل نماز کے احترام کے لیے دیا گیا ہے۔ انسان جب خدا کے حضور حاضر ہو تو اسے پاک ہو کر جانا چاہیے، نماز وہ حالت ہے جب بندہ خدا سے بہت قریب ہوتا ہے اور اس کے سامنے رکوع اور سجدہ کرتا ہے اس لیے جسم کی پاکیزگی اس کے لیے ضروری ہے، پھر ساتھ ہی نماز پڑھنے سے پہلے تمام ناپاکیوں سے پاک ہونے کے لیے نہانے کا حکم دیا اور اگر اس موقع پر وضو اور غسل کے لیے پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے کام لینے کی ہدایت کی۔ اللہ کسی پرستار کو چاہتا ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دے یعنی انسان پر اللہ کی نعمت اسی وقت مکمل ہو سکتی ہے جب نفس اور جسم دونوں پاک ہوں، اور یہ سب ہدایتیں بتانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ تم شکر گزار بنو۔ اس بات پر اللہ کا

شکر ادا کر دے کہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایتیں موجود ہیں تم ان پر عمل کر کے اپنی آخرت  
سنوار سکتے ہو۔

## حلال کو حرام نہ کر لو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتٍ مَّا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ  
وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (المائدہ: ۸۷)

» اے ایمان لانے والو! جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال  
کر دی ہیں انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے نہ بڑھو اللہ کو زیادتی کرنے والے  
پسند نہیں ہیں «

حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ تم خود حلال حرام کے  
مختار نہ بن جاؤ۔ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا ہے، اور حرام بھی وہی کہا جاسکتا  
ہے جو اللہ کی طرف سے حرام ہو۔ اگر کوئی اپنے اختیار سے کسی چیز کو حلال اور کسی کو حرام  
قرار دے لے تو وہ خدا کے قانون کے بجائے اپنے گھڑے ہوئے قانون پر عمل کرے  
گا اور پھر اسے مومن کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ  
بعض لوگ مذہبی بننے میں حد سے اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ دنیا کی تمام لذتوں کو چھوڑ  
بیٹھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا کا نیک بندہ بننے کے لیے دنیا کو چھوڑنا ضروری  
ہوتا ہے، اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا، اپنے نفس کو  
دنوی لذتوں سے محروم کرنا اور زندگی کے سامان سے تعلق توڑ لینا بہت بڑی نیکی  
ہے اور خدا سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ لوگ ایسی ذہنیت

رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ کچھ صحابیوں نے یہ عہد کیا ہے کہ وہ ہمیشہ دن میں روزہ رکھیں گے، رات کو بستر پر نہ سوئیں گے اور جاگ کر عبادت کرتے رہیں گے۔ گوشت اور پکنائی نہ کھائیں گے عورتوں سے واسطہ نہ رکھیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایسی باتوں کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تمہارے نفس کا کبھی تم پر حق ہے۔ رات کو عبادت بھی کرو اور آرام بھی۔ پھر اپنی مثال سامنے رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں تو سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ روزے رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، اور گوشت سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ اب جو میرے طریقے نہ اپنائے وہ مجھ سے نہیں۔

اسلام ربانیت یعنی ترک دنیا کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ ایسا مزاج اسے پسند ہے۔ اس لیے جو لوگ حلال چیزوں کو یہ سمجھ کر اپنے اوپر حرام کر لیں کہ اس سے بچ کر ہم اللہ سے زیادہ قریب ہو سکتے ہیں تو یہ بات جائز نہیں ہے جو چیزیں حلال کی گئی ہیں وہ اسی لیے تو ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے ہر بات حد میں رہ کر کرنی چاہیے۔ جو لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں وہ اللہ کو پسند نہیں۔ حلال چیزوں سے پرہیز کرنا بھی حد سے بڑھنا ہے اور پھر حلال چیزوں کے استعمال میں اتنا اسراف اور زیادتی کرنا کہ پھر حلال کی سرحد سے نکل کر حرام کے حدود میں داخل ہو جائیں یہ بھی زیادتی ہے۔ اللہ کو یہ بات پسند نہیں۔ وہ تو ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھ کر اختیار کریں اور حرام چیزوں کو حرام سمجھ کر ان سے پرہیز کرتے رہیں۔ اور ہر حد سے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

## شراب، بخوئے اور پالنے سے بچو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْمِرُ وَالْأَنصَابُ  
وَالْأَسْرَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا كَعَلَّكُمْ تَعْلَاهُ ه

(المائدہ: ۹۰)

”اے ایمان لائے والو! یہ شراب اور بخوئے اور یہ آستانے اور

پالنے سب ناپاک شیطانی کام ہیں تم ان سے بچتے رہو امید ہے کہ تمہیں

فلاح نصیب ہوگی۔“

یہ ایک اخلاقی نصیحت ہے، مومنوں کا اخلاق سدھارنے کے لیے اللہ تعالیٰ  
نے فرمایا کہ شراب، بخوئے، غیر اللہ کے آستانوں پر سجدے، فال گیری اور قرعہ اندازی  
سب شیطانی کام ہیں تم ان سے بچتے رہو جس کا کسی بھی طرح شراب پینے پلانے سے  
تعلق ہو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ انصاف نصب کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ  
مقامات ہیں جہاں غیر اللہ کی نذر و نیاز چڑھائی جاتی ہو اور منبتیں، مرادیں مانگی جاتی ہوں  
چاہے اس مقام پر کوئی پتھر یا لکڑی کی صورت ہو یا نہ ہو، ایسے مقامات کو آستانہ  
کہا جاتا ہے جسے کسی بزرگ یا دیوتا کے نام سے منسوب کر لیا جائے اور وہاں  
نذر و نیاز یا مراسم عید ویت ادا کیے جاتے ہوں، ایسوں جگہوں پر جانے سے  
مسلمانوں کو روک دیا گیا۔

اسی طرح وہ فال گیری جس میں اپنی قسمت کا فیصلہ کسی دیوی دیوتا سے کرایا  
جاتا ہے یا غیب کی باتیں معلوم کی جاتی ہیں، ایسی تمام داہیات چیزوں سے بھی

مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔ اسی طرح قسمت کا سال معلوم کرنے کے لیے کوئی دہی اور خیالی چیز بنا لینا جیسے رمل، نجوم اور طرح طرح کے شگون، یہ سب ناجائز ہیں کیونکہ یہ مشرکانہ عقیدے ہیں، اللہ کے ساتھ ساتھ کچھ دوسری ہستیوں اور کچھ دوسری چیزوں کے بارے میں یہ یقین رکھنا کہ انہیں غیب کا علم ہے یا یہ خدا سے قریب ہیں، قسمتوں کا سال بتا سکتے ہیں، یہ سب ایمان کے خلاف باتیں ہیں اور یہ مومنوں کے کرنے کا کام نہیں۔ اللہ پر ایمان لانے کے بعد ان لغو چیزوں پر ایمان رکھنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی اللہ پر ایمان پختہ نہیں ہے۔

ساتھ ہی جوئے کی قسم کے وہ تمام کہیں جن میں کسی کے حقوق کو نظر انداز کر کے اور عقل کو کام میں نہ لاکر کسی اتفاقی بات کو کماٹی یا قسمت آزمائی یا مال تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا جائے سب ناجائز ہیں مثلاً لاٹری میں کسی شخص کا نام نکل آیا تو ہزاروں کی جیب کا پیسہ یا کسی استحقاق کے لئے دے دیا گیا۔ اسلام میں قرعہ اندازی کی اس سادہ سی صورت کی اجازت ہے جس میں دو جائز کاموں یا دو برابر کے حقوق میں کوئی ایک فیصلہ کرنا ہو، کوئی غلط کام یا کسی کی حق تلفی نہ ہو رہی ہو اور یہ یادہ دونوں کام صحیح ہوں تو ایسا کیا جاسکتا ہے ورنہ اور کسی طرح کی قرعہ اندازی اور فال گیری مومنوں کے لیے کسی بھی طرح پسندیدہ نہیں ہے۔

مومنوں کو بتادیا گیا کہ اگر تم ان کاموں سے بچے رہے تو ضرور کامیاب ہو گے۔

شکار کے ذریعے ایمان کا امتحان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيُكَلِّمُكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَازَلًا

أَيُّدِيكُمْ وَرِمَا حُكْمَ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ  
بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ (المائدہ: ۹۴)

» اے ایمان لانے والو! اللہ تمہیں اس عسکار کے ذریعے سخت

آزمائش میں ڈالے گا جو بالکل تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہو گا۔

دیکھنے کے لیے کہ تم میں سے کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے پھر جو اس

تنبیہ کے بعد اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھا اس کیلئے دردناک

سزا ہے ۛ

اس آیت سے پہلے اور بعد کا مضمون پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے کچھ چیزوں کو حرام فرمایا ہے، کچھ جانور ایسے ہیں جن کا شکار جائز نہیں ہے۔

نام بنام ان سب کو لگا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مومنو! تم ان سے بچتے رہو

اور پھر اس میں تمہارا امتحان لیا جائے گا کہ تم اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو کہاں

بلک حرام سمجھا، اور وہ امتحان اس طرح لیا جائے گا کہ کبھی ایسا موقع آئے گا کہ جب

کوئی شکار تمہارے جائز نہ ہو تو اس وقت وہ تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد

میں آجائے اور اس کا شکار تمہارے لیے بہت آسان ہو جائے۔ تو اب تمہارا

امتحان ہو گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ اللہ کے خوف سے رک جاتے ہو یا حلال حرام

کی تمیز نہ کرتے ہوئے حد سے بڑھ جاتے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صورت اس

وقت پیش آئے جب تمہیں کوئی نہ دیکھ رہا ہو اور اس کے باوجود تم غائبانہ طور

پر اللہ سے ڈرے اور اس کی نافرمانی سے رک گئے تو یہ اس بات کا ثبوت

ہے کہ تمہارا ایمان پختہ ہے اور تم اس کے احکام کے پابند ہو۔ اور اگر کوئی اس

تنبیہ کے باوجود اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے آگے بڑھا اور حرام حلال میں تمیز نہ کی تو اس کے لیے آخرت میں دردناک سزا ہے۔

### احرام کی حالت میں شکار نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَبِدًا فَأَجْزَاءُ مِمَّا قُتِلَ مِنَ النِّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَذِي الْكُتُبُ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا لِيَذَرَ وَالَّذِي ذُو قَوْلٍ لَلِغَيْبِ قَدْ جَاءَ اللَّهُ بِحُكْمٍ فَاعْلَمُوا  
وَمَنْ حَادَّ قَيْتَظَمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ

(المائدہ: ۹۵)

”اے ایمان لانے والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور اگر کوئی تم میں سے جان بوجھ کر ایسا کر گزرے تو جو جانور اس نے مارا ہو اسی کے ہم پلہ ایک جانور اسے مویشیوں میں سے نذر دینا ہو گا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں گے اور یہ نذرانہ کعبہ پہنچایا جائے گا۔ یا نہیں تو اس گناہ کے کفارے میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑے گا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کر دیا لیکن اب اگر کسی نے پھر یہی حرکت کی تو اس سے اللہ بدلہ لے گا۔ اللہ سب پر غالب ہے اور بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے۔“

یہ مضمون پہلے بھی گزر چکا ہے کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو کیا کرنا چاہیے یہی احکام اس آیت میں ہیں۔ یہ شکار چاہے احرام باندھنے والا خود کرے یا کسی دوسرے کو شکار میں مدد دے یہ دونوں باتیں احرام کی حالت میں منع ہیں۔ اور اگر احرام باندھنے والے کے لیے کوئی شکار مارا جائے تو بھی اس کا کھانا اسے جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اپنے لیے شکار کرے اور اس میں سے احرام باندھنے والے کو کچھ تحفہ دے دے تو یہ جائز ہے۔ ایسے جانور جن سے تسلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو وہ احرام کی حالت میں مارے جاسکتے ہیں۔ جیسے سانپ، بچھو، پاگل کتا، اور اسی طرح کئے اور جانور۔

اب فرمایا کہ اگر کسی نے جان بوجھ کر ایسا کر دیا تو اسے بڑا ہیجے کہ وہ اس شکار کے برابر جس کو مارا گیا ہے اپنے چوپایوں میں سے کسی جانور کی قربانی دے یعنی شکار کی قیمت اور حیثیت کے برابر کسی مویشی کی قربانی دینا ضروری ہوگی جس کا اندازہ فیصلے کے طور پر تم ہی میں سے دو آدمی کریں گے۔ ایسے آدمی جن پر تمہیں اعتبار ہو، اور یہ جانور اللہ کے نام پر قربان کیا جائے۔ نیاز کے طور پر کعبہ لے جایا جائے۔ یہ تو ایک شکل ہے لیکن اگر کوئی جانور کو ذبح کرنے کے بجائے اسی قیمت سے مسکینوں کو کھانا کھلاوے یا جتنے مسکینوں پر کھانا تقسیم ہوتا ہو اتنے ہی روزے رکھ لے تو بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی سزا ہے۔ اس نے اللہ کے حکم کے خلاف کیا اس لیے ایسا کر کے وہ اپنے کیے کا مزہ چکھے۔ اس حکم کے آنے کے پہلے جس نے جو کچھ کیا اللہ نے اسے



معاف فرمادیا۔ اس کا کوئی عذاب نہیں ہے۔ لیکن اب حکم آجانے کے بعد کوئی اطاعت نہ کرے اور واضح ہدایت ملنے کے باوجود منہ موڑ لے تو اللہ تعالیٰ اسے سزا دے گا۔ اس لیے اللہ کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔ جو احکام اور ہدایتیں ہمارے سامنے موجود ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے۔

## وصیت کے احکام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ اخْرَاجْ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنْ أَرْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا تَكْلُمُ شَهَادَةً اللَّهِ إِتَارًا إِذْ تَلِمَنِ الْاِثْنَيْنِ ۝ (المائدہ: ۱۰۶)

وہ اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو وصیت کرتے وقت گواہی کا قاعدہ یہ ہونا چاہیے کہ تمہاری جماعت میں سے دو انصاف والے آدمی گواہ بن جائیں۔ یا اگر تم سفر میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر مسلموں ہی میں سے دو گواہ لے لیے جائیں اور پھر اگر کوئی شک پیدا ہو تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو (مسجد میں) روک لو اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اپنے کسی ذاتی فائدے کے بدلے گواہی نہ دیں گے۔

اور چاہے کوئی ہمارا ارشدہ دارہی کیوں نہ ہو دہم اس کی رعایت نہ کریں گے، اور ہم اللہ کی اس گواہی کو جس کے کہے کا حق ہے چھپائیں گے نہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے۔

چھوٹے بڑے تمام معاملات کی درستی اور صفائی کا ایک ایک محذوق قرآن نے بتا دیا ہے۔ فرمایا اے ایمان لانے والو! جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مرنے سے پہلے کچھ کہنا چاہے تو چاہیے کہ وصیت کے وقت دو ایسے مسلمان آدمی کھڑے ہو جائیں جو ایماندار، قابل اعتبار اور حق و العصاف کی بات کہنے والے ہوں تاکہ بعد میں وہ بغیر کسی کی طرف دارہی کیسے صحیح اور سچی بات کہہ سکیں۔ لیکن اگر تم سفر میں ہو اور وہاں مسلمان گواہ نہ مل سکیں تو بغیر مسلمانوں کو ہی گواہ بنا سکتے ہو۔ پھر اگر مرنے والے کے وارثوں کو ان گواہوں کی بیان کی ہونی وصیت میں کچھ شبہ ہو رہا ہو تو چاہیے کہ نماز کے بعد ان گواہوں کو روک کر خدا کی قسم دلو کہ صحیح بات معلوم کر رہیں چاہیے بغیر مسلمانوں سے سچی گواہی اس وقت معلوم کرنا چاہیے جب ان کی عبادت کا وقت ہو اور وہ اس کا احترام کرتے ہوں، ان سے یہ کہلوانا چاہیے کہ وہ اپنی اس قسم کے بدلے میں دنیا کا کوئی نفع حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ وہ کسی غرض، لالچ یا دباؤ سے متاثر نہیں ہیں وہ تو سچی بات کہیں گے اور وہی گواہی دیں گے جس کے دینے کا اللہ نے حکم دیا ہے خدا کو حاضر و ناظر جان کر بالکل سچی بات اور صحیح بیان وہ دیں گے۔ یہ بیان دے کر وہ یہ کہیں کہ اگر ہم نے اس میں سے کچھ بھی غلط بیانی کی ہو، تو یقیناً ہم گنہگار ہوں گے اور خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

اُسے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اگر کسی طرح یہ پتہ چل جائے کہ گواہوں نے گواہی دینے

میں پوری پوری ایمانداری نہیں برتی ہے تو ایسی صورت میں اسلامی عدالت کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

## عدت کے احکام

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَكَتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ لَمْ تَطْلُقُوهُنَّ  
مِنْ قَبْلِ أَنْ تَسْمُوهُنَّ فَبَابُكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا  
فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَجَّوهُنَّ سَرَاحًا جَدِيدًا (الاحزاب: ۴۹)

”اے ایمان لانے والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر دو اور پھر

انہیں باہر لگانے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہاری طرف سے اب پردہ

کوئی عدت ضروری نہیں ہے اس لیے انہیں کچھ مال دو اور پہلے طریقے سے

رخصت کر دو۔“

یہ آیت بھی معاشرتی احکام کے سلسلے میں ہے۔ اس سے طلاق اور عدت کے چند قانونی احکام نکلتے ہیں۔ ویسے تو طلاق دینے کے بعد عدت کا حکم ہے لیکن اگر کوئی نکاح کرے اور پھر غلط سے پہلے عورت کو طلاق دے دے تو اس کے لیے عدت کا حکم نہیں ہے۔ ایسی حالت میں عورت کو یہ حق ہوگا کہ وہ طلاق کے فوراً بعد جس سے چاہے نکاح کر لے۔ عدت سے مراد وہ مدت ہے جس کے گزرنے سے پہلے عورت کے لیے دوسرا نکاح جائز نہ ہو۔

فرمایا اگر نکاح کے بعد تمہیں عورت پسند نہ آئے اور تم طلاق دینا چاہو تو پہلے طریقے سے اسے کچھ مال دے کر رخصت کر دو۔ کچھ مال سے مطلب یہ ہے

کہ جتنی بھی حیثیت ہو اس کے مطابق اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کر دینا چاہیے۔  
ایسا نہ ہو کہ طلاق دینے سے پہلے اسے ذلیل کرے یا دوسروں کے سامنے  
اس کی برائیاں کرے۔ اس آیت میں نکاح کرنے والے کو طلاق دینے کا حق بھی  
ہے اور ساتھ ہی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دے۔ بات واضح ہے  
کہ طلاق کو کفیل نہ بنایا جائے۔ اسی لیے مرد پر مالی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا جا رہا ہے۔

# عام ہدایات

جہاں معاملات کو درست رکھنے کے لیے احکام دیئے گئے ہیں۔  
 وہاں دنیا اور آخرت کے نقصان سے بچانے کے لیے رب دو جہاں  
 نے ہدایات بھی نازل فرمائی ہیں۔  
 وہ اپنے بندوں کو تباہی سے بچانا چاہتا ہے۔  
 انہیں دنیا و آخرت میں سُرخرو اور سر بلند دیکھنا چاہتا ہے۔  
 اسی لیے ہر معاملے میں اپنی ہدایات سے نوازتا ہے۔  
 ان ہدایات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق اسی کو ملتی ہے جو خود تباہی  
 سے بچنا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے۔

## پاکیزہ چیزیں کھاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا  
لِلَّهِ إِن كُنْتُمْ تَعْبُدُونَهُ (البقرہ: ۱۶۸)

اے ایمان لانے والو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے  
والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں تم بے تکلف  
کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

فرمایا اے مومنو! اگر تم واقعی صرف خدائی قانون تسلیم کر چکے ہو جیسا کہ  
تمہارا دھڑی ہے تو پھر وہ ساری چھوت چھات اور جاہلیت کی ساری ہندشیں  
اور پابندیاں توڑ ڈالو جو تمہارے من گھڑت دیوتاؤں اور باپ دادا کے زمانے  
سے قائم ہیں۔ تم تو خدا پر ایمان لائے ہو اس لیے جو کچھ خدا نے حرام کیا ہے اس  
سے تو ضرور بچو۔ لیکن جو چیزیں خدا کی طرف سے حلال ہیں انہیں بغیر کسی کراہت  
اور رکاوٹ کے کھاؤ پیو۔ خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں میں تو اب کوئی تکلف ہونا  
ہی نہیں چاہیے۔ اب تو تم ایمان لے آئے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ نماز پڑھنے اور قبلے کی طرف رخ کرنے کے باوجود  
ایک شخص اس وقت تک اسلام میں پوری طرح داخل نہیں ہوتا جب تک وہ  
کھانے پینے کے معاملات میں پھیل جاہلیت کی پابندیوں کو توڑ نہ دے اور ان

وہموں سے آزاد ہو جائے جو باجملیت کا تقاضا ہیں۔ کیونکہ اس کا ان پابندیوں پر قائم رہنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی کسی نہ کسی حد تک اس میں باجملیت کا اثر باقی ہے۔

ایمان لانے کے بعد تو کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ خدا نے جن چیزوں کو پاک بتایا ہے انہیں بے تکلف کھائیں پئیں اور اللہ کا شکر ادا کریں، اور اب بھی جو اپنے اوپر خواہ مخواہ پابندیاں عائد کرے اور ان نعمتوں سے اپنے کو محروم کر دے، حلال و حرام کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لے تو اس کے ایمان ہی میں شبہ ہے۔ وہ لوگ سچے مومن نہیں ہیں جو اپنے آپ کو خدا کی بندگی میں دینے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن پھر بھی خدا کی ہدایت اور اس کی رضا مندی سے زیادہ اپنے بزرگوں کے طور طریقوں اور خاندانی رسم و رواج کو اہمیت دیتے ہیں۔ کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے کا فیصلہ لوگوں کی روایتوں اور پسند پر نہیں بلکہ اللہ کے فرمان اور حکم پر ہے۔

غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا كَرِهْتُمْ خَبَاثَةً وَكَفًّا مَّا غَنِيَتْكُمْ بِهِاتِ الْبَعْضِ أَمْ مِّنْ أَفْوَهِهِمْ ۖ وَمَا تَخْفَىٰ مِنْهُمُ أَكْبَرُ ذُنُوبِكُمْ ۚ (آل عمران ۷۵)

”اے ایمان لانے والو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں



کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے۔ تمہیں جن چیزوں سے نقصان پہنچے وہی ان کو پسند ہیں۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ان سے ملنے جلنے میں احتیاط برتو گے، ۱۰

اس سلسلے کی بہت سی آیتیں اس باب میں آ رہی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ غیر مسلموں اور منافقوں سے دلی تعلق اور محبت نہ بڑھائیں۔ ان رشتہ داروں کو بھی نہ نبھائیں جو اسلام سے پہلے تھیں۔ اسلام لانے کے بعد تو مسلموں کو آپس میں ہی سیل جول رکھنا چاہیے۔ جو لوگ اسلام سے باہر ہیں ان سے اگر تعلقات بڑھائے تو نقصان کا اندیشہ ہے۔

یہاں یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شاید مومنوں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے علاوہ کسی اور سے تعلق ہی نہ رکھیں غیر مسلموں سے بچ کر رہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ یہاں جس بات سے مومنوں کو روکا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلم ان کے رازدار نہ بن جائیں۔ محبت، لگاؤ اور دوستی حد سے نہ بڑھ جائے۔ کیونکہ اس سے یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ انہیں نقصان پہنچائیں اور ان کا ایمان ہی خطرے میں پڑ جائے۔ غیر مسلموں سے اس حد تک تو راہ و رسم بڑھانا ٹھیک ہے کہ انہیں محبت اور پیار کے ساتھ اللہ کے دین سے آگاہ کیا جائے۔ اسلام کی تعلیم ان تک پہنچائی جائے، اللہ کے احکام انہیں سنائے جائیں۔ ان باتوں کی مومنوں پر

ذمہ داری ہے، اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو اس وقت پورا کر سکتے ہیں جب غیر مسلموں سے ان کا ملنا جلنا ہوگا اور اچھے تعلقات ہوں گے تو اس غرض کے لیے تو میل ملاقات ضروری ہے۔ لیکن اگر اس بارے میں مومن حد سے بڑھ جائیں اور ان کی کوئی اور غرض شامل ہو جائے اور وہ ان لوگوں سے دلی لگاؤ پیدا کر لیں تو خود انہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

یہ اور اس کے بعد آنے والی ہدایتیں اس موقع پر نازل ہوئیں جب مدینہ اند اس کے آس پاس اسلام پھیل رہا تھا اور بہت سے قبیلے اور بہت سے لوگ مسلمان ہو رہے تھے۔ ان مسلمان ہونے والوں میں کسی کا دوست، کسی کا باپ، کسی کا بھائی، کسی کا بیٹا اور دوسرے رشتہ دار غیر مسلم رہ جاتے اور یہ نئے مسلمان اپنے پرانے غیر مسلم دوستوں اور رشتہ داروں سے اسی طرح ملتے رہتے جیسا کہ اسلام لانے سے پہلے ملتے تھے۔ وہ لوگ بھی بظاہر بڑے خلوص سے ان لوگوں سے ملتے لیکن دلوں کے حال سے تو اللہ اچھی طرح باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان غیر مسلموں کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیم کے خلاف نفرت بھری ہے، اور وہ اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اسی لیے بار بار ان لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

یہاں فرمایا کہ مومنو! ان غیر مسلموں کے دل تمہارے لیے بہت سخت ہیں، وہ ظاہری دوستی اس لیے جتا رہے ہیں کہ کسی طرح تمہارے اندر فتنہ و فساد برپا کر دیں اور تمہارے راز معلوم کر کے دشمنوں تک پہنچائیں اس

لیے تم ان لوگوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ ان کی ظاہری محبت دیکھ کر دوستی اور تعلقاً نہ بڑھاؤ۔ تم اپنی خاص بانیں اور اپنی جماعت کے راز آپس میں تو ایک دوسرے کو بتا سکتے ہو، لیکن ان دشمنوں کو دوست سمجھ کر راز دار نہ بنالو۔ یہ تو اس تاک میں لگے ہیں کہ کہاں ان کو موقع ملے اور تمہیں نقصان پہنچائیں۔ وہ تو انہی چیزوں کو پسند بھی کرتے ہیں جن سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ حقیقت میں یہ تمہارے دشمن ہیں ان کے دل میں تمہارے خلاف خوب بغض اور دشمنی بھری ہے۔ ان کے دل کا یہ بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے۔ ان کی ایک ایک بات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تمہارے خلاف دلوں میں دشمنی لیے بیٹھے ہیں۔ اور یہ جو کچھ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے یہ تو بہت ہی کم ہے۔ جتنا بغض اور نفرت یہ اپنے دلوں میں چھپائے ہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ ظاہر ہے دلوں کا حال تو اللہ کو معلوم ہے سیدھے سچے مسلمان تو ان کی ظاہری محبت ہی دیکھ سکتے ہیں اسی لیے تو اللہ نے ان کی اس منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت دی ہے۔ اللہ تو اپنے بندوں تک صاف صاف ہدایتیں پہنچا دیتا ہے۔ اب یہ کام بندوں کا ہے کہ اگر وہ عقل رکھتے ہیں تو اسے سوچیں سمجھیں، اور عمل کریں۔ یہاں بھی منافقوں کی اس دشمنی کا حال بتا کر ان سے الگ رہنے کی ہدایت کی گئی اور پھر فیصلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیا گیا کہ اگر انہیں کچھ بھی عقل اور سمجھ ہے تو اپنا بھلا برا سمجھیں اور اس بائے میں جو ہدایت انہیں ملی اس پر عمل کریں۔

کافروں کی اطاعت نہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُؤْخَذُوا بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ وَيَأْمُرُوا بِالْعَدْلِ وَالْإِيمَانِ

عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا مُخْشِعِينَ ۚ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ  
خَيْرُ النَّاصِحِينَ ۚ (آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰)

”اے ایمان لانے والو! اگر تم ان لوگوں کے کہنے پر چلو گے جو کافر  
ہیں تو وہ تمہیں الٹا پھیرے جائیں گے اور تم سخت نقصان میں رہو گے حقیقت  
یہ ہے کہ خدا تمہارا حامی و مددگار اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔“

مومن تو کہتے ہی اسے ہیں جو اللہ کی اطاعت کا اقرار کر لے۔ اللہ کی اطاعت کے  
بعد کسی اور کی اطاعت کرنے کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے۔ اسی لیے حکم دیا جا رہا ہے۔  
اے مومنو! تم کافروں کے کہنے پر نہ چلو۔ یہ لوگ تو تمہارے دشمن ہیں۔ تمہیں ایمان کی  
راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ تمہاری آخرت کی بہتری انہیں گوارا نہیں ہے۔ یہ لوگ  
تو اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح اپنی باتوں سے تمہارے ذہن تمہارے دماغ اور  
تمہارے دل سے ایمان کی روشنی نکال دیں تم ان سے خبردار رہو۔ اگر اس ہدایت اور  
تنبیہ کے باوجود تم ان کے کہنے پر چلتے رہے، ان کی باتیں سنتے رہے، ان کی صحبت  
میں اٹھتے بیٹھتے رہے تو یہ تمہیں پھر جاہلیت اور کفر کے اندھیروں میں لے آئیں گے  
اور تم ایمان کی روشنی سے محروم ہو جاؤ گے اور پھر کیسی نامراد ہی ہوگی تمہیں تو یہ یاد  
رکھنا چاہیے کہ تمہارا اصل سرپرست تو اللہ ہے۔ تمہیں تو کسی کی بات ماننا ہی نہیں  
چاہیے۔ اللہ نے تمہاری رہنمائی اور ہدایت کے لیے جو نصیحتیں فرمائی ہیں بس اللہ پر  
عمل کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سیدھے سچے ایمان کے راستے پر چلتے دیکھنا چاہتا ہے  
اسے یہ گوارا نہیں کہ اس کے بندے ایمان لانے کے بعد پھر ہٹکنے لگیں۔ اسی لیے اس

نے اپنے مومن بندوں کو اس خطرے سے آگاہ فرمایا ہے جو کافروں کی وجہ سے انہیں پہنچ سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد پھر گمراہ ہو جانا بڑی بد نصیبی اور اسراف نقصان ہے۔

عقل و سمجھ رکھنے والے مسلمانوں کے لیے یہ بڑی کامیاب ہدایت ہے۔ انسان میل محبت اسی سے بڑھاتا ہے اور اسی کا کہنا بھی مانتا ہے جس سے اسے کسی فائدے کی امید ہو یا کوئی لالچ ہو۔ اس لیے جو لوگ کافروں سے کسی طرح کی کوئی امید اور لالچ رکھتے ہوئے ان کی اطاعت کرتے ہیں وہ اپنی بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کے کہنے میں آکر اپنی آخرت تباہ کر رہے ہیں۔ مومنوں کو چاہیے کہ وہ صرف اللہ کو اپنا حامی و مددگار سمجھیں، اسی کی اطاعت کریں، اسی سے آخرت کے فائدے کی امید اور جنت کے انعام کا لالچ رکھیں۔

### مسلمان کافروں کی سی باتیں نہ کریں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا  
لَا حُيُوتُنَا فِي الْأَرْضِ نَ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّ  
مَّا نَأْتُوا وَمَا نَقْتُلُ أَلَيْسَ جَعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ  
وَاللَّهُ يُخَيِّ وَيُمَيِّتُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (آل عمران: ۱۵۶)

”اے ایمان لانے والو! کافروں کی سی باتیں نہ کرو جن کے عزیز و اقارب

اگر کبھی سفر یا جنگ پر جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے

تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے اللہ ان باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت

بنادیتا ہے دراصل اللہ جلانے اور مارنے والا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ اس کی نظر میں ہے ۛ

اس آیت میں مومنوں کے لیے بڑی اچھی ہدایت ہے۔ اللہ کی قدرت اور اس کے اختیارات پر جو لوگ یقین کر لیتے ہیں ان کا دل مطمئن سا رہتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنا کوئی عزیز کسی جگہ گیا اور وہاں مارا گیا تو اس پر لوگ یہ کہنے لگتے ہیں کاش وہ نہ گیا ہوتا تو نہ مرتا۔ یا کوئی بیماری آئی اور اسے سمیٹ لے گئی تو یہ سوچ سوچ کر ہاتھ ملے جاتے ہیں کہ کاش یوں نہ ہوتا۔ کاش ہم ایسا کر لیتے اور وہ نہ مرتا۔ اس طرح کی باتیں ہر اس جگہ پر جہاں کوئی حادثہ نہ ہو یا کوئی مرجائے، سننے میں آتی ہیں۔ گویا لوگوں کے یہ انتظامات جن کے نہ ہو سکتے پر وہ افسوس کر رہے ہیں کسی مرنے والے کی زندگی کو بچا سکتے ہیں اور کسی حادثے کو ٹال سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو کافروں کی سی باتیں کہا ہے۔ اس طرح کی باتیں تو وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں یہ یقین ہی نہ ہو کہ اللہ بڑی قدرت والا ہے۔ زندگی اور موت کے اختیارات اسی کو حاصل ہیں، وہی جلانے اور مارنے والا ہے۔ جب اس کا حکم آجاتا ہے تو کوئی انتظام کارگر نہیں ہوتا اور مرنے والا مر کر رہتا ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی قدرت اور اس کے حکم سے ہو رہا ہے۔ جسے ان باتوں پر یقین ہو گا، وہ ایسی نادانی کی باتیں نہیں کر سکتا۔ مومن انہی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اس لیے انہیں تو اس طرح کی باتیں کلام مناسب ہی نہیں۔ مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ حادثات کو اپنی تدبیر کی خرابی سمجھتے ہیں۔ اور ان کے لیے اس قسم کے اندازے داغ حسرت بن کر رہ

جاتے ہیں اور وہ عمر بھر افسوس کرتے ہیں کہ کاش یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا۔  
 سچے مومن وہ ہیں جو ہر آنے والی مصیبت پر یہ سوچ کر صبر کر لیں کہ یہ تو اللہ  
 کا حکم تھا اور اس کی مشیت میں کسی کا کیا دخل۔ ایسے صابر و شاکر بندے ہمیشہ  
 مطمئن رہتے ہیں۔

### مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ  
 دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا  
 مُبِينًا إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ السَّارِ وَلَكِنَّ تَجِدَ  
 لَهُمْ نَصِيرًا (النساء: ۱۳۴، ۱۳۵)

”اے ایمان لانے والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ  
 بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف کھلی حجت دے دو؟ یقین جانو  
 منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں گر جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار  
 نہ پاؤ گے۔“

ایمان لانے کے بعد تو مومنوں سے ہی محبت اور دوستی رکھنا چاہیے کیونکہ ان  
 کے درمیان دین کا رشتہ ہوتا ہے۔ یہ سب ایک ہی جماعت ہوتے ہیں، ان کا  
 ایک ہی مقصد ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کے درمیان ایک دوسرے سے ہمدردی،  
 محبت اور بھائی چارہ ہوتا ہے۔ ان کی دوستی سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف  
 اگر مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے کوئی مومن دوستی اور دلی تعلق بڑھانے لگے تو یہ اس

کے دین ایمان کے لیے خطرے کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ایسی ہدایتیں دی ہیں جن میں کافروں سے دلی محبت کرنے اور انہیں رازدار بنانے سے روکا گیا ہے۔

یہاں کافروں سے ساد باز رکھنا منافقوں کا طریقہ بتا کر مومنوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ تم کافروں کو دلی دوست اور بھراؤ نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے سر پر الزام رکھ لو اور اللہ تعالیٰ کو اپنے جرم کا کھلا ثبوت دے دو؟ اس طرح تم اپنے آپ کو خود ہی جرم ٹھہراؤ گے، اور سزا کے مستحق ہو گے۔ یہ جانتے ہوئے کہ یہ طریقہ منافقوں کا ہے پھر بھی تم نے اس طریقہ کو اپنایا تو اپنے سر خود تباہی لاؤ گے اور منافقوں کا انجام تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ انہیں آخرت میں کوئی سہارا نصیب نہ ہوگا۔ وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں گر جائیں گے۔ اس لیے تم اس ذلت سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اس کے بعد آگے کی آیتوں میں فرمایا کہ منافقوں کو یہ سزا تو ملنا ہی ہے لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور نیک کام کرنے لگیں، دین پر ثابت قدم ہو جائیں، اپنی ساری عبادتیں، اطاعتیں اور فرمانبرداریاں صرف اللہ سے وابستہ رکھیں تو اللہ تعالیٰ انہیں مومنوں میں شامل فرمالے گا اور پھر سزا کے بدلے اجر سے نوازے گا۔ اللہ کسی کو خواہ مخواہ سزا نہیں دیا کرتا۔ وہ تو قدر داں ہے، اسے سب کے حالات کی خبر ہے۔

دین کا مذاق بنانے والوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا إِدْرِيكُمْ



هٰذَا دَلِيلٌ مِنَ الْإِيمَانِ أَذَلُّوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكِتَابَ  
أَوَّلِيَّكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنُتُمْ مُؤْمِنِينَ (المائدہ: ۵۰)

”اے ایمان لانے والو! تم سے پہلے جو اہل کتاب ہیں انہوں نے

تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا لیا ہے تم انہیں اور دوسرے کافروں

کو اپنا دوست نہ بناؤ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خطاب فرمایا ہے اے مومنو! جس طرح

تمہیں اس کتاب کے ذریعے ہدایات دی جا رہی ہیں اسی طرح تم سے پہلے دوسرے

لوگوں کو بھی ہدایات دی گئیں لیکن انہوں نے اپنی جہالت اور نادانی سے انہیں

بھلا دیا اور گڑبڑ کر دیا۔ اب تمہارے دین کی باتیں سن کر یہ مذاق اڑاتے ہیں،

اسے جھوٹا سمجھ کر دل لگی کرتے ہیں اس کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں تو یہ لوگ

اور دوسرے کافر جو ایسی باتوں میں ان کا ساتھ دے رہے ہیں ان کی صحبت سے

تم بچے رہو اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ سے ڈرو، اور اپنے دین کا احترام کرتے

ہوئے ان سے رفاقت اور دلی دوستی کا معاملہ نہ رکھو۔

ہدایت بالکل واضح ہے۔ جو شخص دین کا مذاق بنائے یا اس کی کسی بھی بات

کی توہین کرے تو اسے اپنا دلی دوست اور رفیق نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اہل ایمان

کو تو اپنا دین، ایمان بہت عزیز ہوتا ہے، وہ اس کی توہین یا بے حرمتی کیسے برداشت

کر سکتے ہیں۔

ہاں ایسے لوگوں سے ان کی اصلاح اور ہدایت کے لیے تعلقات قائم کیے

جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے اغراض و مقاصد کے لیے

تعلقات بڑھانا مناسب نہیں ہے۔

## خواہ مخواہ سوالات نہ کیا کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن تَبَدَّلَ لَكُمْ  
تَسْوِكُمْ وَإِن كَسَلْتُمُوهُنَّ حَتَّىٰ يَنزَلَ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَ لَكُمْ  
عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ  
قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۝ (المائدہ: ۱۰۱، ۱۰۲)

”اے ایمان لانے والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی  
جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں لیکن اگر تم انہیں ایسے وقت پوچھو گے جبکہ  
قرآن نازل ہو رہا ہو تو وہ تم پر کھول دی جائیں گی۔ اب تک جو تم نے  
کیا اللہ نے اسے معاف کر دیا وہ بخشنے والا اور بڑا رہے تم سے  
پہلے ایک گروہ نے اسی قسم کے سوال پوچھے تھے پھر وہ لوگ انہی باتوں  
کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے۔“

یہاں ایمان لانے والوں کو ان کی ایک غلط بات پر ٹوکتے ہوئے نصیحت  
کی جا رہی ہے۔ کچھ لوگوں کا حال یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب عجیب  
سوال کرتے تھے جس کی نہ دین کے معاملے میں کوئی ضرورت ہوتی نہ دنیا کے  
معاملے میں۔ مثال کے طور پر ایک صاحب کا مہل سوال مشہور ہے، ”وہ بھرے  
مجمع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے ”میرا اصلی باپ کون ہے؟“  
یہ ایک قسم کا غیر ضروری سوال تھا جس سے روکا گیا۔ کچھ لوگ ایسا بھی کرتے

تھے کہ جن چیزوں کی شریعت میں کوئی قید نہیں ہے پوچھ پوچھ کر اس پر بھی قید لگانا چاہتے تھے۔ مثلاً جب قرآن پاک میں یہ حکم دیا گیا کہ حج تم پر فرض کیا گیا تو ایک صاحب نے آپ سے پوچھا: ”کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟“ آپ نے کچھ جواب نہ دیا انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ پھر خاموش رہے تب میری مرتبہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا۔ ”تم پر افسوس ہے۔ اگر میری زباں سے ہاں نکل گیا، تو حج ہر سال فرض ہو جائے گا۔ پھر تم ہی عاجز آ جاؤ گے اور پیروی نہ کر سکو گے۔ پھر نافرمانی کرنے لگو گے۔“ ایسے ہی غیر ضروری اور مہمل سوالات سے روکا گیا ہے۔

یہ تو قرآن کی ہدایت ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی لوگوں کو بہت زیادہ سوال کرنے اور خواہ مخواہ کھوج کرید کرنے سے منع فرماتے تھے۔

بہت سے احکام ہمیں شریعت میں ایسے ملتے ہیں جن میں مقدار تعداد یا دوسری کسی قید کی تفصیل نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی بھول یا غلطی سے ایسا ہوا ہے، اور سننے والے کھوج کرید کر کے سوال میں سوال نکال کر اس کے حدود اور قیود مقرر کر لیں، بلکہ لوگوں کی آسانی اور ان کی وسعت کے لیے ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو شخص اپنے سوالوں سے تفصیلات اور قیود مقرر کر لے وہ دراصل مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے اس لیے کہ اس طرح پابندیاں زیادہ ہو جائیں گی اور پیروی کرنے والوں کو مشکل ہوگی اور وہ اس کی خلاف ورزی بھی زیادہ کرنے لگیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک گروہ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں

نے بھی اسی قسم کے اٹے سیدھے سوالات کیے تھے اور پھر ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ کفر میں مبتلا ہوئے یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام طرح طرح کی باتیں بنائیں ایک ایک چیز کے متعلق سوالات کیے اور ہر چیز کی حدیں قائم کر لیں۔ حدود و قیود کا ایسا جال بنا لیا کہ اس میں الجھ کر خود ہی گمراہ ہونے لگے، پابندیاں اتنی بڑھالیں کہ پورا نہ کر پائے اور نافرمانی میں شامل ہوئے۔

## اپنی فکر کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَعْزَوُكُمْ مَنْ صَلَّ  
إِذَا اهْتَدَىٰ ثُمَّ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيَنْبِتُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ  
تَعْمَلُونَ ۝ (المائدہ: ۱۰۵)

» اے ایمان لانے والو! اپنی فکر کرو کسی دوسرے کی گمراہی سے تمہارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود سیدھے راستے پر ہو۔ اللہ کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔  
یہاں مومنوں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم دوسروں کے عیب نہ ٹٹولو، اپنی فکر کرو۔ تم یہ نہ دیکھو کہ فلاں کیا کر رہا ہے، اس کے عقیدے میں کیا خرابی ہے، اس کے اعمال میں کیا برائی ہے۔ تمہیں تو یہ دیکھنا چاہیے کہ تم خود کیا کر رہے ہو۔ اس کی فکر کرو کہ کہیں تمہارے اخلاق اور اعمال تو خراب نہیں ہو رہے ہیں۔ اگر تم خود اللہ کی اطاعت کرتے رہے، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتے رہے اور تمام احکام کی پیروی کرتے رہے تو چاہے کوئی کتنا ہی گمراہ ہو اس کی گمراہی تمہارا

یہ نقصان دہ نہیں ہو سکتی۔

غلط فہمی سے کچھ لوگ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ آدمی کو بس اپنی نجات کی فکر کرنا چاہیے دوسروں کی اصلاح کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ اسی غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے ایک بار ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا، کہ ”لوگو! تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو، میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ برائی کو دیکھ کر اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں، ظالم کو ظلم کرتے دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو وہ دن دور نہیں جب اللہ اپنے عذاب میں سب کو لپیٹ لے۔ خدا کی قسم تم پر یہ ضروری ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے رد کو“

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی اپنی فکر کرے اور دوسروں کی اصلاح نہ کرے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے اعمال کی درستی کی طرف بھی پوری توجہ رکھی جائے، اور دوسروں کو بھی اس پر ابھارا جائے۔ لیکن اگر سمجھانے کے باوجود کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا اور گمراہی پر جما رہتا ہے تو اس کی گمراہی سے اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا جب تک وہ ہدایت پر چلے رہے ہیں ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔

اور یہ تو یقینی بات ہے کہ سب کو لوٹ کر جانا خدا کی طرف ہے اس وقت وہ سب بتا دے گا کہ تم کیا کرتے رہے تھے۔ ہدایت پر قائم رہنے والوں کو ان کا اجر مل جائے گا اور سمجھانے کے باوجود نہ ماننے والے اپنی سزا بھگت لیں گے۔

مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب نہ جانے دو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا

الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ۖ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ  
يَغْفِرَ لَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (التوبہ: ۲۸)

مذہبے ایمان لانے والوں! مشرک لوگ ناپاک ہیں اس لیے اس سال

کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے

ہو تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ چاہے تو اپنے فضل سے تمہیں مالدار کر دے۔

اللہ تو سب کچھ جانتے والا اور بڑی حکمت والا ہے ۝

ایمان والوں کو بتایا گیا ہے کہ دیکھو یہ مشرک ناپاک ہیں اس لیے تم انہیں مسجد

حرام کے قریب نہ آنے دو۔ یعنی آئندہ کے لیے ان کا حج اور زیارت ہی بند نہیں

بلکہ اس پاک جگہ میں ان کا داخل ہونا ہی منع ہے۔ ”ناپاک“ ہونے کا مطلب یہ

نہیں ہے کہ وہ خود ناپاک ہیں، بلکہ ان کے اعتقادات، ان کے اخلاق، ان کے

اعمال اور ان کے طور طریقے ناپاک ہیں، اور اسی نجاست کی وجہ سے وہ حرم میں نہیں

جاسکتے۔

اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ ان کے نہ آنے سے کہیں تجارت بند نہ ہو جائے تو یہ ایک

فضول بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جب حج و زیارت کے لیے آتے تو مسلمانوں

کی تجارت چمک اٹھتی تھی اور خوب خرید و فروخت اور منافع ہوتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ مشرکوں کے نہ آنے سے تمہیں یہ اندیشہ نہ ہونا چاہیے کہ کہیں تمہیں مفلسی

اور تنگدستی نہ گھیر لے۔ اللہ اگر چاہے گا تو بہت جلد تم کو اپنے فضل سے مالدار کر

دے گا۔ تم اس کی ہدایات پر عمل کرو اور اس کے فضل کے امیدوار رہو۔

مومن کی شان ہی یہ ہے کہ آقا کا حکم ملتے ہی سر جھکا دے۔ پھر اس کے بعد

اپنے ذاتی نفع نقصان کے بارے میں کچھ نہ سوچے۔ یوں تو اللہ کے تمام احکام میں مصلحت پوشیدہ ہے، لیکن انسان اگر اپنی کم علمی کی وجہ سے اس کے کسی حکم کی مصلحت کو نہ جان سکے تو اسے اطاعت میں ہرگز کمی نہ کرنا چاہیے۔ حکم چونکہ خدا کا ہے اس لیے سر اطاعت جھکننا چاہیے کیونکہ اسی خدا پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا ہے۔ مومن کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہر طرح کا نفع نقصان خدا کے ہاتھ میں ہے، جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے، اور وہ جب چاہے حالات کا رخ بدل سکتا ہے۔ اس لیے حالات کے دباؤ یا نفع نقصان کے خیال سے اطاعت میں کمی نہ آنا چاہیے۔ یہی ایمان کی کسوٹی ہے۔

### منکرین حق سے جنگ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ  
وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ٥

(التوبہ: ۱۲۳)

”اے ایمان لانے والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے

پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو اللہ متقیوں

کے ساتھ ہے۔“

یہاں مومنوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ پہلے وہ ان کافروں سے جنگ کریں جو

ان کے پاس ہیں۔ یہاں کافروں سے مراد وہ منافق لوگ ہیں جن کے دلوں کا حال

پوری طرح ظاہر ہو چکا تھا اور اب کسی کو یہ شبہ نہ تھا کہ وہ منافق نہیں ہیں، ان

کا ایک ایک عمل یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ منافق ہیں۔ ان لوگوں کے اسلامی سوسائٹی سے ملے جلے رہنے کی وجہ سے سخت نقصانات پہنچ رہے تھے۔ اسی لیے حکم دیا گیا کہ ان آستین کے سانپوں سے باقاعدہ جہاد کرنا چاہیے کیونکہ ان سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہاں ان کے خلاف لفظ ”قتال“ استعمال کیا گیا جس سے مراد ہے کہ ان کا پوری طرح قلع قمع کر دیا جائے ان کو ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے۔ ان لوگوں کے لیے لفظ ”کفار“ کا استعمال کرنے کی بھی وجہ یہی ہے کہ ان لوگوں کا انکار حق صاف طریقے پر واضح ہو چکا ہے۔ اب ان کے ظاہری ایمان پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے اور انہیں کوئی رعایت نہ دی جائے۔ یہ دراصل کافر ہی ہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے اندر سختی پائیں، کسی صورت میں بھی ان پر نرمی نہ کی جائے۔ اب وہ نرم سلوک ختم ہو جانا چاہیے جو اب تک ان کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اب برتاؤ میں ڈھیل دینے کا وقت نہیں ہے۔

آگے فرمایا کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ اگر ان منکرین حق کے ساتھ دوستی اور رشتہ داری نبھائی گئی تو یہ بات تقویٰ کے خلاف ہوگی کیونکہ متقی لوگ خدا کے دشمنوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ جو یہ چاہے کہ خدا کی مدد اور اس کی رحمت ساتھ ہو تو اسے خدا کے نافرمان بندوں سے اپنا تعلق توڑ دینا چاہیے۔ یہاں تقویٰ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ ان منافقوں سے سختی کرنے کی جو ہدایت دی جا رہی ہے اس میں ایسا نہ ہو کہ تم اخلاق اور انسانیت کو بھی چھوڑ دو۔ یاد رکھو اللہ تو متقیوں کے ساتھ ہے۔ اگر تم خدا کی مدد اور اس کے فضل کو ساتھ دیکھنا



پہاڑے ہو تو سختی میں بھی حد سے نہ بڑھ جاؤ۔ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، کہیں تم سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ کی رحمت تمہارا ساتھ نہ چھوڑ دے۔

## اللہ کا احسان یاد رکھو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ  
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ  
بِعَمَلِكُمْ بَصِيرًا (الاحزاب: ۹)

”اے ایمان لانے والو! یاد کرو اس احسان کو جو (ابھی ابھی) اس نے تم پر کیا ہے، جب لشکر تم پر بڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آہمی بھیج دی اور ایسی فوجیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم اس وقت کر رہے تھے“

یہ اور اس کے بعد کی چند آیات اس وقت نازل ہوئیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو غزوہٴ احزاب میں جسے غزوہٴ خندق بھی کہتے ہیں فتح نصیب ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس احسان کا ذکر فرمایا ہے جو اس موقع پر کیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں یہودی بنی نضیر کو ان کی نامناسب حرکتوں کی وجہ سے مدینہ سے نکال دیا تھا۔ یہ لوگ ہلا وطن ہو جانے کے بعد عرب کے کافر قبیلوں سے مل گئے اور انہوں نے حضورؐ اور مسلمانوں کے خلاف حملے کی اسکیم بنائی۔ انہوں نے اپنے ساتھ قریش، فرارہ، غطفان اور

بنی قریظہ کو بھی مدینہ منورہ پر حملہ کے لیے آمادہ کر لیا۔ اور تقریباً بارہ ہزار کافروں کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے چل کھڑا ہوا۔ خدا کے فضل اور کچھ مخلص مسلمانوں کی مدد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زبردست حملے کی اطلاع چھ دن پہلے مل گئی۔ آپ تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ مدینے کی حفاظت کے لیے اس کے چاروں طرف خندق کھود لی جائے۔ ان کی رائے پسند کی گئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مجاہدین کو خندق کھودنے کا حکم دے دیا، اور خود بھی کھدائی میں شریک ہو گئے۔ آخر کار کفار کا یہ لشکر جس کی تعداد دس یا بارہ ہزار بتائی جاتی ہے مدینہ پہنچ گیا۔ یہ لشکر وہاں ایک مہینہ پڑا رہا، مگر کوئی خاص مقابلہ نہ ہوا۔ پس آپس میں کبھی کبھی جھڑپیں ہو جاتی تھیں، کبھی پتھر اڑاؤ ہو جاتا اور کبھی تیر چل جاتے مسلمان ثابت قدم تھے۔ انہوں نے اپنی حفاظت کا بندوبست خوب کر لیا تھا۔ کافروں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ انہیں مدینہ سے باہر خندق سے واسطہ پڑے گا۔ جاڑوں کا موسم تھا اور انہیں طویل محاصرے کے لیے وہاں ٹھہرنا تھا جس کے لیے وہ تیار ہو کر بھی نہ آئے تھے۔ اس لیے یہ موقع ان پر سخت تھا۔ اب انہوں نے غداری اور فریب سے کام لینے کی بات سوچی۔ انہوں نے ایک یہودی قبیلے بنی قریظہ کو جو مدینہ کے جنوب مشرق میں تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دے۔ بنی قریظہ سے مسلمانوں کا باقاعدہ یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ اسی معاہدے پر مسلمانوں کو اطمینان تھا اور انہوں نے اپنے بال بچے اسی مقام پر بھجوا دیئے تھے جو

بنی قریظہ کی جانب تھا۔ کیونکہ وہاں مسلمانوں کو کوئی خطرہ نہ تھا، اور اس جانب سے انہوں نے حفاظت کا کوئی انتظام بھی نہ کیا تھا۔ کافروں نے اس کمزوری کو بھانپ لیا اور اس قبیلے کے سردار کے پاس اپنا پیام بھیجا کہ تم معاہدہ توڑ کر جنگ پیش مل ہو جاؤ۔ پہلے تو بنی قریظہ نے انکار کیا اور کہا کہ ہمارا محمدؐ سے معاہدہ ہے اور میں آج تک ان سے کوئی شکایت بھی نہیں ہوئی۔ لیکن ان لوگوں نے پھر بہکایا۔ کہنے لگے کہ ہماری پوری طاقت متحد ہو کر محمدؐ پر چڑھ آئی ہے۔ اسے ختم کر دینے کا موقع اچھا ہے، اگر یہ ہاتھ سے جاتا رہا تو پھر تمہیں کوئی موقع نہ ملے گا۔ چنانچہ ان کی اسلام دشمنی پاس و لحاظ پر غالب آگئی اور وہ معاہدہ توڑنے پر تیار ہو گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہو گیا پھر بھی آپؐ نے تحقیق کے لیے بنی قریظہ کے پاس کچھ سرداروں کو بھیجا۔ وہاں انہوں نے بنی قریظہ کو خباثت پر آمادہ پایا، جب انہیں ان کا عہد یاد دلایا گیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضورؐ سے یہ بات عرض کر دی گئی۔ یہ خبر مسلمانوں میں بہت جلد پھیل گئی اور وہ بے چین ہو گئے۔ ان کے شہر کا وہ حصہ بھی خطرے میں پڑ گیا جہاں بچاؤ کا کوئی انتظام نہ تھا اور جدھر ان کے بال بچے تھے۔ اب منافقین نے اس موقع پر باتیں بنانا شروع کر دیں اور اہل ایمان کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی۔ یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ یہاں ہر اس شخص کا بھانڈا پھوٹ گیا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نفاق تھا۔ صرف سچے اور محض اہل ایمان اس سخت وقت میں ثابت قدم رہے۔

اس موقع پر قبیلہ غطفان کے ایک صاحب نعیم بن مسعود مسلمان ہو کر حضورؐ کے

پاس آئے اور کہنے لگے میرے اسلام لانے کا ابھی کسی کو علم نہیں ہے، آپ جاہیں تو اس موقع پر مجھ سے کوئی خدمت لے لیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم دشمنوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرو، کیونکہ جنگ میں دھوکہ جائز ہے۔ چنانچہ نعیم نے تدبیر سوچ لی۔ پہلے وہی بنی قریظہ لے پاس گئے اور کہا، قریش اور غطفان محاصرے سے تنگ آکر واپس بھی ہا سکتے ہیں، ان کا کچھ نہ بگڑے گا تمہیں تو اس جگہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔ ایسا کرو کہ ضمانت کے طور پر ان قبیلوں کے کچھ سرداروں کو اپنے پاس رکھ لو پھر ان کا ساتھ دو۔ یہ بات بنی قریظہ کے دل میں اتر گئی اور انہوں نے نعیم کا مشورہ مان لینے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر نعیم قریش اور غطفان کے پاس گئے۔ بولے بنی قریظہ ڈھیلے پڑ رہے ہیں اور انہیں اپنی عہد شکنی پر ندامت ہے۔ ہو سکتا ہے وہ تم سے ضمانت کے طور پر کچھ آدمی مانگیں اور انہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے کر کے اپنا معاملہ صاف کر لیں۔ اس لیے تم ہوشیار رہو۔ اب وہ لوگ بنی قریظہ کی طرف سے کھٹک گئے اور انہوں نے ان سے کہلوایا کہ محاصرے سے ہم تنگ آ گئے ہیں اب کل سے جنگ کرنے کو تیار رہو، تم اپنی طرف سے مسلمانوں پر حملہ کر دو اور ہم ادھر سے ان کی خبر لیں۔ بنی قریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک آپ اپنے چند نمایاں آدمی ضمانت کے طور پر ہمارے حوالے نہ کر دیں گے ہم جنگ کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اس جواب سے یہ لوگ سمجھ گئے کہ نعیم نے سچ کہا تھا۔ انہوں نے ضمانت کے لیے انکار کر دیا اس انکار سے بنی قریظہ بھی یہ سمجھ گئے کہ نعیم نے ہمیں ٹھیک مشورہ دیا تھا اس طرح یہ جنگی چال کامیاب رہی، اور آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ پھوٹ پڑ جانے سے محاصرین کے حوصلے پست ہو گئے۔

اور ان میں وہ جوش اور ولولہ باقی نہ رہا۔ اسی حالت میں اچانک ایک رات سخت آندھی آئی جس میں سردی، کڑک اور چمک تھی اور سخت اندھیرا تھا۔ اس آندھی میں دشمنوں کے خیمے اُلٹ گئے اور افراتفری پیدا ہو گئی۔ یہ لوگ ایسے بوکھلائے کہ راتوں رات اپنے اپنے گھروں کو پل دیئے۔ صبح جب مسلمانوں نے دیکھا تو ایک دشمن بھی موجود نہ تھا اس کے بعد سے قریش نے کبھی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ ان کی قوت مسلمانوں کی طرف منتقل ہو گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں نے بنی قریظہ کی خبر لی۔ ان کے تمام مردوں کو قتل کر دیا گیا حوزہ لڑا اور بچوں کو غلام بنالیا گیا اور ان کی املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان لوگوں نے جنگ احزاب میں شریک ہونے کے لیے مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ لڑائی کا سامان جمع کر رکھا تھا۔ اگر اللہ کی مدد مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتی تو ان کا یہ اچانک حملہ بڑا سخت ہوتا۔

یہ مسلمانوں پر اللہ کا بہت ہی بڑا احسان تھا۔

ہر انسان جو کچھ کر رہا ہے اسے وہ کل ضرور دیکھ لے گا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّقَادِمَ مَاتٍ  
يَعْدِيهِ ۖ وَأَتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا  
كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝  
(الحشرہ: ۱۹، ۲۰)

وہ اے ایمان لانے والو! اللہ سے ڈرو اور ہر ایک اُسے ضرور دیکھ

لے گا جو وہ کرنے کے لیے آگے بھیج رہا ہے۔ اللہ سے ڈرو جو کچھ تم کر رہے

ہو اللہ کو خبر ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کو  
بھلا دیا پھر اللہ تعالیٰ نے خود ان کی ہاؤں سے ان کو نازل کر دیا یہی تو وہ لوگ  
ہیں جو نافرمان ہیں۔

ایک ہی آیت میں دوبار اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی گئی۔ جس دل میں تقویٰ ہو  
اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ اللہ اس کے ہر کام کو دیکھتا اور ہر بات کو سنتا ہے اور اس  
کے ہر ارادے سے واقف ہے تو کسی گناہ کی توقع اس سے کم ہی ہے۔ لیکن اگر  
خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا یقین دل سے نکل جائے تو انسان ظلم، سرکشی اور  
نا فرمانی کا پتلا بن کر رہ جائے گا۔ جب دل میں تقویٰ ہو تو برے خیالات نہیں آ  
سکتے، انسان غلط راہ پر نہیں چل سکتا اور خدا کی نافرمانی نہیں ہو سکتی۔

فرمایا، اے مسلمانو! تم دنیا میں مست ہو کر نہ رہ جاؤ۔ یہاں کی تفریحات  
اور یہاں کے آرام میں نہ اُلجھے رہو۔ یاد رکھو یہ دنیا عارضی ہے یہاں کا ہر آرام  
ختم ہونے والا ہے۔ تم کو تو ہمیشہ رہنے والی زندگی ملے گی اور وہاں تمہارے کام  
وہی آئے گا جو تم یہاں سے بھیج رہے ہو دنیا کی کوئی لذت اور آرام تمہارا ساتھ  
نہ دے گا بلکہ صرف تمہارے نیک اعمال اور تمہارا تقویٰ وہاں تمہارے ساتھ  
ہوگا۔

دیکھو اللہ سے ڈرو، اللہ سے تم کچھ نہیں چھپا سکتے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ  
کو اس کی خبر ہے اور اسی کے مطابق تمہیں آخرت میں جزا و سزا ملے گی اپنی آخرت  
بنانے کی فکر کرو، کچھ نیک اعمال اپنے آگے بھیج دو تاکہ وہ تمہاری مغفرت کا سامان  
بن سکیں۔ ان لوگوں کی طرح تم زندگی نہ گزارو جو اللہ کو بالکل بھول چکے ہیں اور اس

کے احکام کو فراموش کر چکے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی ہدایتوں سے بے پروائی برت رہے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ بھی بھلا دیا کرتا ہے۔ اللہ کے بھلا دینے سے مطلب یہ ہے کہ پھر ان پر کوئی توہم نہیں کی جاتی۔ وہ گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں انہیں کوئی روشنی نہیں ملتی۔ گناہوں میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت ان کا ساتھ نہیں دیتی۔ اللہ اپنی نظر کرم ان پر سے ہٹا لیتا ہے اور وہ غضوب و مغتوب ہو کر رہ جاتے ہیں جنتی اور دوزخی برابر نہیں ہو سکتے۔ اہل جنت کو ہی کامیابی اور کامرانی ملا کرتی ہے۔

اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ  
تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْبُودَةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ  
يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ  
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ  
بِالْبُودَةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْ  
مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (الممتحنة: ۱)

»اے ایمان لانے والو! تم میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو  
دوست نہ بناؤ۔ تم ان لوگوں کو دوستی کے پیغام بھیجنے لگو یہ تو اس دین حق  
کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے وہ رسول کو اور تم کو اس بات پر  
وطن سے نکال چکے ہیں کہ تم اس اللہ پر ایمان لائے ہو جو تمہارا پروردگار

ہے۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے نکلے ہو تو ان منکروں کو دوست نہ بناؤ تم دوستی کی وجہ سے ان لوگوں کی طرف پرشیدہ پیغام بھیجتے ہو۔ حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کھلے بندوں کرتے ہو وہ سب میں جانتا ہوں۔ تم میں سے جو ایسا کرے گا تو یقیناً نودہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

وہ لوگ جو خدا اور رسولؐ کو نہیں مانتے۔ اس کے دین کا انکار کرتے ہیں اور جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں ان سب کو اللہ نے اپنا اور مسلمانوں کا دشمن کہا ہے اور ان سے قطع تعلق کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس نقصان سے بچایا ہے جو ان دشمنوں کی طرف سے پہنچنے کا خطرہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب مدینہ کے ایک صحابی حضرت حاطب بن بلتعہؓ سے ایک کوتاہی ہو گئی تھی۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ نبی ہاشم کی ایک باندی جس کا نام سارا تھا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا، نہیں میں محتاج ہو کر آئی ہوں حضورؐ نے لوگوں سے کہا تو سب نے کپڑے اور دوسرے سامان سے اس کی مدد کی۔ جب واپس جانے لگی تو حاطبؓ نے چپکے سے ایک خط اسے دے دیا۔ یہ خط مکہ کے کافروں کے نام لکھا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ تم لوگ ہوشیار رہنا حضورؐ حکم کا ارادہ کر رہے ہیں۔ حاطبؓ نے خفیہ خط کے ذریعہ یہ اطلاع مکہ پہنچانے کا ارادہ کیا۔ کیونکہ مکہ میں



ان کے اہل و عیال تھے۔ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے انہوں نے ایسا کیا اور اس عورت کو خط دے کر چلتا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس خفیہ خط سے آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت علیؓ اور کچھ دوسرے ساتھیوں کو حکم دیا کہ تم سب روضہ خاخ پر پہنچو۔ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خفیہ خط ہے وہ خط لے کر آ جاؤ اور عورت کو چھوڑ دو۔ اب ان لوگوں نے جا کر اس عورت کو پکڑا، اور اس کے سامان کی تلاشی لی لیکن خط نہ نکلا۔ حضرت علیؓ نے اسے قتل کی دھمکی دی تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے سے وہ خط نکال کر دیا۔ یہ لوگ خط لے کر واپس آئے حضورؐ نے ساطبؓ سے دریافت کیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے کسی قسم کی خیانت اور نفاق کی وجہ سے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لیے لکھا تھا کہ اس احسان کی وجہ سے مکہ کے کافر میرے اہل و عیال کو قتل نہ کر دیں۔ حضورؐ نے ساطبؓ کا مدد قبول فرما لیا اور انہیں معاف کر دیا۔

اسی موقع پر فرمایا گیا تم دشمنوں سے دوستی اور ساز باز نہ رکھو ورنہ تمہیں اور تمہارے ایمان کو نقصان پہنچے گا۔ ان کی دوستی دنیا و آخرت دونوں کے لحاظ سے مضر ہے۔ کیا تمہیں یاد نہیں انہوں نے تو تمہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اتنی سی بات پر شہر سے نکال دیا تھا کہ تم اللہ کو اپنا رب مان کر ایمان لائے ہو، ان کی یہ کھلی دشمنی دیکھ کر بھی تم دھوکے میں ہو اور ان سے اپنی راز کی باتیں بھی کہہ دیتے ہو۔ اگر تم واقعی میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی کی

تلاش میں نکلے ہو تو تمہیں ان سے ترک تعلق کرنا ہوگا۔ اب پتا ہے تم کچھ ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ کے علم میں سب کچھ ہے یا در کھوساری ہدایتیں ملنے کے باوجود اگر کوئی نافرمانی کرتا رہا تو وہ گمراہ ہو گیا اور یہ گمراہی اس کی دنیا و آخرت کی تباہی ہے۔

### جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں ان کا امتحان کر لیا کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ مِنْ هَاجِرَاتٍ  
فَمَا تَجِدْنَهُنَّ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَبَايَعْنَ ۚ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ  
مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۚ لَا هُنَّ حِلٌّ لَكُمْ وَلَا  
هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۚ وَاتَّوهُهُنَّ بِمَا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
أَنْ تَشْكُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ  
الْكُوفَرِ ۚ وَسَأَلْتُمُوهُنَّ أَنْفُسَهُنَّ وَلَيْسَتْ لَهُنَّ أَنْفُسٌ ۚ وَذِكْرُكُمْ  
حُكْمُ اللَّهِ ۚ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (الممتحنة: ۱۰)

» اے ایمان لانے والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے

آئیں تو پہلے ان کا امتحان لیا کرو۔ اللہ تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے

پھر اگر تم واقعی انہیں مومن سمجھو تو انہیں کافروں کی طرف واپس لوٹاؤ۔

کیونکہ نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں

کے لیے حلال ہیں۔ ہاں جو مہر کافروں نے انہیں دیا ہو وہ ان کافروں

کو واپس کر دو اور پھر تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ

نہیں حبیب کہ تم اُن کے مہر اُن کو ادا کرو۔ اور وہ عورتیں جو کافر رہ گئیں اُن کو قبضہ میں نہ رکھو جو مہر تم نے انہیں دیا تھا وہ (کافروں سے) مانگ لو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا انہیں چاہیے کہ وہ تم سے مانگ لیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہ تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہے وہ تو سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔“

جب اسلام پھیل رہا تھا تو ایسا ہوتا کہ کہیں مرد مسلمان ہو جاتے اور ان کی بیویاں کافر رہ جاتیں اور کبھی کچھ کافروں کی بیویاں مسلمان ہو جاتیں اور ہجرت کر کے مدینہ چلی آتیں۔ یہ اچھا خاصا مسئلہ تھا کہ مسلمان کیا کریں، اسی مشکل کو حل کرنے کے لیے یہ آیتیں نازل ہوئیں اور واضح الفاظ میں یہ بتا دیا گیا کہ اے مسلمانو! اگر عورتیں مسلمان ہو کر اور اپنے وطن کو چھوڑ کر تمہارے پاس چلی آئیں تو تمہیں چاہیے کہ انہیں دیکھتے ہی مسلمان نہ سمجھ بیٹھو بلکہ پہلے انہیں آزماد اُن کے ایمان کو جانچو اور پھر کہو تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ صرف اسلام کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کے ہجرت کر کے آئی ہیں یا کسی اور غرض سے آئی ہیں، اور ایمان کا جھوٹا دعویٰ کر رہی ہیں۔ یوں تو اللہ ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہی ہے لیکن تم اپنے اطمینان کے لیے ان کا امتحان ضرور لے لیا کرو۔ پھر آزمانے کے بعد اگر تم یہ سمجھو کہ یہ واقعی مومن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو کیونکہ مسلمان ہو جانے کے بعد یہ عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ کافران مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔ ایمان لانے کے بعد ان کا رشتہ زوجیت کافروں سے ٹوٹ گیا۔ اب تم ایسا کر سکتے ہو کہ ان عورتوں کو ان کے کافر شوہروں نے جو مہر دیا تھا وہ ان کافروں کو واپس کر کے

تم ان سے نکاح کر لو۔ پھر ان عورتوں کو بھی مہر دے دو، اور تم ان عورتوں سے کوئی تعلق نہ رکھو جو اسلام لانے سے پہلے تمہاری بیویاں تھیں اور اب کافر رہ گئی ہیں وہ کافروں میں تمہارے لیے نہیں بلکہ کافروں کے لیے ہی حلال ہیں۔ اب تم کافروں سے وہ مہر لے کر جو تم نے انہیں دیا تھا ان کافر عورتوں کو ان کے حوالے کر دو۔ اسی طرح وہ عورتیں جنہیں کافروں نے مہر دیا تھا اور وہ اب مسلمان ہو کر تمہارے قبضے میں ہیں ان کا مہر کافر تم سے واپس لے سکتے ہیں۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے معاملات کو ٹھیک اور درست رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام نازل فرمائے ہیں۔ وہ اپنی ہدایتوں کے ذریعے فیصلے کرتا ہے۔

**ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَكْسِبُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَكْسِبُ الْكَفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ۚ (الممتحنہ: ۱۳)

”اے ایمان لانے والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے

اپنا غصہ اور غضب فرمایا ہے وہ لوگ تو آخرت کے ثواب سے ایسے ناامید

ہوئے ہیں جیسے کافر قبر والوں کا طرف سے ناامید ہیں“

وہ دُور اہی جن کی منزلیں الگ الگ ہوں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور اگر دینے لگیں تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ کافروں کی رفاقت مومنوں کے

لیے ہر لحاظ سے نقصان دہ ہے۔ اسی لیے بار بار مومنوں کو تاکید کی گئی کہ ایمان لانے کے بعد ان نافرمانوں سے دلی تعلق اور لگاؤ پیدا نہ کرو جن پر اللہ کا غضبہ اور غضب فرمایا گیا ہے۔ یہ لوگ تم سے مختلف ہیں۔ تم مومن ہو اللہ کی رحمتوں اور انعام کے مستحق ہو اور یہ لوگ سزا پانے والے ہیں۔ پھر تمہاری اور ان کی دوستی کیسے ممکن ہے تمہارے اور ان کے سوچنے کے انداز میں بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ اور اسی وجہ سے تمہارا اور ان کا راستہ الگ الگ ہو گیا ہے۔ تم ہر معاملے کو آخرت کے انجام کو سامنے رکھ کر دیکھتے ہو۔ تم دنیا کا نقصان گوارا کر لیتے ہو اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس طرح تم آخرت میں فائدہ اٹھا سکو گے تمہاری نظر میں اصل اہمیت آخرت کی ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ ایمان نہیں لائے ہیں وہ ہر چیز کو دنیوی نفع نقصان کے لحاظ پر دیکھتے ہیں ان کی نظریں اصل اہمیت یہاں ملنے والے فائدوں کی ہے آخرت کی طرف سے وہ بالکل مایوس ہیں۔ انہیں یہ یقین ہی نہیں کہ آخرت کا دن بھی آنے والا ہے۔ اور اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو مر گیا وہ ہمیشہ کے لیے مر گیا۔ انہیں اپنے مَرَدوں کے بارے میں ایسی کوئی امید نہیں ہے کہ وہ پھر زندہ ہوں گے اور اپنے کاموں کا اچھا یا بُرا بدلہ پائیں گے۔ وہ ان کے دوبارہ زندہ ہونے کی طرف سے بالکل مایوس اور ناامید ہیں۔ چنانچہ سوچنے کے اس انداز کے اختلاف نے تمہیں ان سے اور انہیں تم سے بالکل الگ کر دیا ہے وہ اپنی نافرمانیوں اور ہٹ دھرمیوں کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہیں جب کہ تم اس کی رحمت کے امیدوار ہو ایسی صورت میں تمہارا ان کے ساتھ محبت اور خلوص کا معاملہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ تمہیں تو ہمیشہ اس کا دھیان رکھنا چاہیے کہ کہیں ان

سے دوستی کی بینگلیں بڑھانے کا نتیجہ یہ نہ نکلے کہ تم پر بھی ان کا رنگ چڑھنے لگے۔

ایسی بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا  
عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصّٰفّٰت: ۴۱۳)

”اے ایمان لانے والو! تم ایسی بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ

کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔“

مومنوں کے لیے یہ بات کسی طرح مناسب ہی نہیں ہے کہ وہ زبان سے تو کچھ کہیں اور عمل کسی اور بات کی گواہی دے، یہ تو منافقوں کا شیوہ ہے۔ اس لیے اے مومنو! تم ایسا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ جو بات زبان سے کہی جائے اسے کیا نہ جائے کسی بات کا دعویٰ کیا جائے اور وقت آنے پر کوتاہی کی جائے یا کسی کو وعظ و نصیحت کی جائے لیکن اپنا طریقہ اس سے خلاف ہو تو یہ باتیں پسندیدہ نہیں ہیں۔

ایسے تمام لوگوں کو کان کھول کر یہ ہدایت سننا چاہیے جو بڑھ چڑھ کر مائیں بناتے ہیں، اپنی لفاظی کے سامنے سب کو مات کر دیتے ہیں، اپنے آپ کو بڑا نیک، متقی اور عالم بنا کر پیش کرتے ہیں لیکن عمل کے اعتبار سے وہ انتہائی کمزور بلکہ بالکل ہی نااہل ہیں۔ مومن کے قول اور فعل یعنی کہنے اور کرنے میں کوئی فرق نہ ہونا چاہیے۔ یہ آیت اے عالم باعمل ہونے پر ابھارتی ہے۔

## جمعہ کی اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دُور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَوَدَّعَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ (المجمہ: ۹)

”اے ایمان لانے والو! جب تمہیں جمعہ کے دن نماز کے لیے

پکارا جائے تو اللہ کو یاد کرنے کے لیے دُور پُرد۔ خرید و فروخت چھوڑ

دو اگر تم سمجھو تو یہ بات تمہارے لیے اچھی ہے۔“

یہاں جمعہ کے دن کی خاص فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ فرمایا اے مومنو!

جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم سارے کاروبار چھوڑ کر نماز

کی طرف اور خدا کو یاد کرنے کے لیے چل پُرد۔ سارے مشغلے اور سارا لین دین اس

وقت چھوڑ دیا کرو۔ اذان سنتے ہی تم اللہ کی عبادت کے لیے حاضر ہو جاؤ اور

نماز کے لیے پورے اہتمام سے آؤ۔

یہاں نماز کی اہمیت یاد دلانا مقصود ہے۔ اللہ کی یاد اس کے ذکر اور

اس کی عبادت سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نہ اپنے

نفع کی فکر کریں اور نہ کاروبار کی، نہ خریدیں اور نہ بیچیں، اذان سنتے ہی خدا کے حضور

حاضر ہو جائیں۔ اسلامی معاشرہ میں تو ہونا ہی یہ چاہیے کہ جب اذان ہو تو بازاروں

کی چیل پہل اور ہنگامے ختم ہو جائیں۔ خریدنے والے نماز پُرنے کے لیے

جمع ہو جائیں۔

بندہ مومن کا تعلق دنیا اور دنیا کے ہنگاموں سے رہتا ہے، اور رہتا ہے چاہیے بھی۔ لیکن ایک مقررہ وقت کے لیے ان سب سے منہ موڑ کر اور یکسو ہو کر خدا کے حضور حاضر ہو جانا چاہیے۔

اسلام یہ بھی نہیں چاہتا کہ دنیا سے الگ ہو کر صرف مذہب کے لیے انسان اپنے کو خاص کر لے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں ایسا بھنسے کہ خدا کو بھول بیٹھے، دنیا کے کاموں اور مشغلوں کے ساتھ ساتھ خدا کو یاد رکھنا بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ نمازون میں پانچ وقت انسان کو خدا کی یاد دہانی کراتی ہے۔ اپنے کام کو چھوڑ کر وہ نماز کے لیے اٹھتا ہے نماز کا فائدہ ہی یہ ہے کہ انسان کو خدا ہر وقت یاد رہے، دھیان اس کی طرف سے ہٹنے نہ پائے۔

مال اور اولاد کی محبت اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ  
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

(المنافقون: ۹)

”اے ایمان لانے والو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہیں

خدا کی یاد سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں گے وہی نقصان اٹھانے

والے ہیں۔“

انسان کو اپنے مال اور اپنی اولادوں سے بڑی محبت ہوتی ہے وہ انہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور انہی کے لیے سب کچھ کرنے پر تیار رہتا ہے ان کی محبت



اسے اندھا کر دیتی ہے، وہ اپنے انجام اور اپنی آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، اس کی ساری دنیا انہی چیزوں میں سمٹ آتی ہے اور پھر اسے یہ خیال ہی نہیں رہتا کہ اس سلسلے میں خدا کا حکم کیا ہے۔ اسی لیے مال اور اولاد کا تذکرہ کر کے یہ فرمایا گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چیزیں جو تمہیں دی گئی ہیں، ان میں تم ایسے پھنس جاؤ کہ پھر دین کے تقاضے پورے نہ کر سکو، اور مصروفیت ایسی بڑھے کہ خدا کو یاد کرنے کا وقت بھی نہ ملے اگر ایسا ہوا تو یہ تمہارے لیے تباہی ہے اور آخرت میں سراسر نقصان اور ناکامی ہے۔

سچا مومن وہی ہے جو اپنی سب چیزوں سے زیادہ خدا اور خدا کے دین سے محبت کرے۔ اگر اسے یہ خیال رہے کہ یہ مال اور یہ اولادیں عارضی ہیں اور آخرت میں جو کچھ ملنے والا ہے وہ ہمیشہ رہے گا تو پھر وہ کبھی یہ بے وقوفی نہ کرے گا کہ عارضی لذتوں میں پھنس کر ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے اپنے آپ کو محروم کر لے۔

بعض بیویاں اور بعض اولادیں تمہاری دشمن ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوٌّ لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَ أَجْرٍ عَظِيمٍ (التقویٰ: ۱۴، ۱۵)

”اے ایمان لانے والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادوں میں سے کچھ تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو، اور اگر تم ان کو معاف کر دو انہیں

درگزر کر دو اور انہیں بخش دو تو اللہ بخشے والا مہربان ہے۔ بلاشبہ تمہارے مال، تمہاری اولادیں تمہارے لیے آزمائش کی چیز ہیں۔

اور اللہ کے یہاں اس کا بڑا اجر ہے۔“

وہ لوگ جو دعوتِ حق کو قبول کر رہے تھے، اور اسلام میں آ رہے تھے اکثر ایسا ہوتا کہ ان کی بیویوں اور اولادوں کے دل نفاق کے مریض ہوتے۔ فطری محبت اور لگاؤ کی وجہ سے وہ ان سے میل جول رکھتے، لیکن یہ لوگ اور ان لوگوں سے دلی تعلق ایمان کے لیے خطرہ تھا۔ اسی لیے مومنوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی، اللہ کے نافرمانوں سے دوستی نہ بڑھاؤ۔ تمہارے بیوی بچوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو تمہارے دشمن ہیں، اور ان کی دشمنی یہ ہے کہ وہ تمہیں اللہ کے دین سے غافل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل یہ بڑی آزمائش کی چیزیں ہیں ان کی محبت میں پھنس کر تم دین کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، اللہ کو بھول جاتے ہو، ہمیشہ رہنے والی زندگی کا خیال دل سے نکل جاتا ہے۔ تو اس لحاظ سے یہ تمہارے دشمن ہی تو ہیں، تمہیں نیک کاموں سے روک کر تمہاری آخرت برباد کر رہے ہیں، تم ان سے بچو، ان سے محبت نہ کرو، ان سے تعلق نہ رکھو، تمہیں ان سے زیادہ اپنے دین سے محبت ہونی چاہیے۔ پھر تمہارا رویہ دیکھ کر اگر یہ معافی مانگ لیں، نیک کاموں میں تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کریں اور دین کے کاموں میں حصہ لینے لگیں تو پھر تم انہیں معاف کر دو۔ اللہ تو خود بخشنے والا اور مہربان ہے۔ جب تم صرف اللہ کی خاطر اپنے اس تعلق کو چھوڑنے کا ارادہ کر لو گے تو اللہ تمہیں اجر اور بخشش سے نوازے گا۔ مال اور

اولاد سے نواز کر دراصل تمہارا امتحان لیا جاتا ہے۔

پھر آگے فرمایا کہ جب یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، جو حکم دیا جائے اُسے سُنو، عمل کرو، اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرو، اسی میں تمہارا بھلا ہے۔

اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاطٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ٥ (التحریم: ۶۰)

”اے ایمان لانے والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو اس

آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس آگ پر ایسے فرشتے

مقرر ہیں جو سخت دل اور زبردست ہیں وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں

کرتے جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجاتے ہیں۔“

ہر مسلمان کا یہ فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروالوں کو دین کی راہ پر لائے، اللہ کے احکام انہیں بتائے، دین کی باتیں انہیں سکھائے اور پھر عمل کرنے پر ابھارے، تاکہ اس کے گھروالے جہنم کا ایندھن بننے سے بچ سکیں۔ یوں تو ہر شخص کو اپنے گھروالوں سے محبت ہوتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے ان کی ذرا سی پریشانی اسے خود پریشان کر دیتی ہے۔ جب اس تھوڑی سی زندگی میں اسے اپنے گھروالوں کی اتنی فکر رہتی ہے تو پھر ظاہر ہے کہ وہ یہ کوشش کیوں

نہ کرے کہ اُس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بھی انہیں آرام و آسائش ملے اور وہاں کے عذاب سے وہ بچیں۔ یہ تو اس کے ایمان کا تقاضا ہونا ہی چاہیے اور یہ تعلق کا تقاضا ہے کہ آدمی ایسا کرے اور اس پر مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حکم بھی دے دیا ہے اور ذمہ داری بھی ٹھہرا دی ہے تو اب تو یہ لازمی ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اور اپنے گھروالوں کو اس آگ سے بچائے جس پر سخت دل فرشتے تیار کھڑے ہیں اور انسانوں اور پتھروں کو اس میں جھونک رہے ہیں جیسے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے کہ یہ جہنمی ہے اسے آگ میں جھونک دو تو وہ حکم بجالاتے ہیں، انہیں رحم نہیں آتا، وہ تو اللہ کے فرماں بردار ہیں، اپنی ڈیوٹی پر ہیں، ان کا فرض یہ ہے کہ حکم ملتے ہی ڈیوٹی پوری کریں۔ اب تو یہ انسانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی اللہ کی اطاعت کر کے جہنم سے بچیں اور اپنے گھروالوں کو بھی سیدھی راہ پر چلانے کی کوشش کریں تاکہ وہ اس آگ سے محفوظ رہ سکیں، وہ یہ تو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے کہ آخرت کے دن وہ تو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں ہوں اور ان کے گھروالے عذاب بھگت رہے ہوں۔ اس لیے جہاں تک ہو سکے اپنے گھروالوں کو اللہ کے احکام ماننے اور دین کے تقاضے پورے کرنے کی ہدایت کرنی چاہیے۔

اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا مَّعْسِي رَبِّكُمْ  
أَنْ يَكْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

الْأَشْهُرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ  
يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتَيْنَاكَ نُورًا  
وَأَغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (التحریم ۸۶)

”اے ایمان لانے والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو۔ امید ہے  
کہ تمہارا رب تمہارے گناہ تم سے دور کر دے گا اور تمہیں جنت میں داخل  
کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ اس دن ہوگا جس دن اللہ  
نبیؐ کو اور ان مسلمانوں کو جو اس کے ساتھی ہیں ہر قسم کی رسوائی سے بچالے  
گا ان کے ایمان کی روشنی ان کے سامنے اور ان کی داہنی طرف دھڑے  
گی وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے اس نور کو مکمل کر دے،  
ہیں بخش دے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

غلطیاں انسان سے ہوتی ہی ہیں لیکن اگر وہ اپنی غلطیوں پر نادم ہو جائے،  
اللہ کے سامنے روئے، گڑ گڑائے، معافی مانگے، سچے دل سے توبہ کرے، اور  
آئندہ کبھی ایسا نہ کرنے کا عہد کر لے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اس سے صرف  
یہی نہیں کہ وہ غلطی معاف ہو جائے گی جو اس سے ہو گئی ہے۔ اس معافی کے  
ساتھ اسے اور بھی بہت کچھ دیا جاتا ہے اسے اجر اور رحمتوں سے نوازا جاتا  
ہے اس کے اوپر عنایتوں اور رحمتوں کی بارش کر دی جاتی ہے۔ وہ بندہ جو غلطی  
کے بعد پھر اپنے رب کی طرف لوٹ آئے، پورے خلوص سے توبہ کر لے تو  
وہ اللہ کو بہت ہی پسند ہے ظاہر ہے جو اللہ کو پسند ہو اس پر اللہ کی کیسی  
کیسی رحمتیں اور برکتیں ہوں گی۔ توبہ کے معنی ہی پلٹنے کے اور رجوع کرنے کے

ہیں۔ گناہ کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ بندہ جس نے اپنے آقا کا نافرمان بن کر منہ پھیر لیا تھا اب اپنے کیے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف پلٹ آیا ہے۔ اللہ بھی اپنے ان ہی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی میں کوئی قصور کر بیٹھتے ہیں اور حیب آنکھیں کھلتی ہیں تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں۔

توبہ کرنے کی ہدایت دے کر یہ امید دلائی ہے کہ اللہ کا خاص فضل تمہارے ساتھ ہوگا وہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جہاں تمہارے لیے آرام ہی آرام ہوگا۔ تمہارے گناہوں کو بخش دیا جائے گا اور تمہیں اکرام و الطاف سے نوازا جائے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ نبیؐ کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو میدانِ حشر کی رسوائی سے بچالے گا اور اسی ایمان کا نور انہیں گھیرے ہوگا۔ یہ نور ان خوش نصیبوں کے سامنے بھی ہوگا اور داہنی طرف بھی۔ اس وقت یہ اپنے پروردگار سے کہیں گے اے رب دو جہاں! اس نور کو ہمارے لیے مکمل کر دے۔ اس سے ہمیں محروم نہ کرنا۔ ہمارے گناہوں کو بخش دے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے گناہ اس روشنی کو گل کر دیں۔ تو تو ہر چیز پر قادر ہے تو ہی گناہوں کو بخشتا ہے اور ہمیں ذلت در رسوائی سے بچا سکتا ہے۔

قرآن پاک کی موجودہ ترتیب میں یہ وہ آخری آیت ہے جس میں یٰٰٓأَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ پورے قرآن پاک میں جہاں جہاں  
اس خطاب سے مومنوں کو نوازا گیا ہے اور مختلف احکام دیئے گئے ہیں ان

سب کے بعد آخر میں توبہ کی ہدایت کیسی بر محل معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان سے قدم قدم پر بھول چوک ہوتی ہی رہتی ہے۔ کوشش اور ارادے کے باوجود قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ ایسی یالیت میں آخری سہارا توبہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ توبہ کو مومنوں کی مستقل صفت بتایا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ توبہ ہی انسان کو اللہ کی رحمتوں کا مستحق بنا سکتی ہے اور بندے کی کامیابی اللہ کے فضل اور رحمت کے بغیر ممکن نہیں۔ صرف اپنے عمل اور اپنی کوشش پر کوئی شخص بھروسہ نہیں کر سکتا۔ بندے کا آخری سہارا اللہ کی رحمت ہے اور اس رحمت کا دروازہ توبہ سے ہی کھلتا ہے۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ لَّمْ يَنْسِنَا اَوْ اَخْطَاْنَا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

اور

دیگر اداروں کے مطبوعات

ہم سے خرید فرمائیے

پہلے اسلامک پبلیشرز

۱۲-۱۳، اے شاہ عالم مارکیٹ

لاہور

المکتبۃ الاسلامیۃ

۹۹۔۔ جے ماڈل ٹاؤن - لاہور

تلفون ۱۷۲۷۴۰۰۰۔۔۔۔۔





# پیت اسلامک پبلشرز

العزیز مارکیٹ، ۱۷ اردو بازار لاہور - ۲